

جاسوسي دنيا

جلد نمبر 1

دلير مجرم

1

خوفناک جنگل

2

عورت فروش کا قاتل

3

تجوری کا راز

4

ابن صفحی

اسرار پبلی کیشنر

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سڑیت

اردو بازار لاہور - فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلیشر خالد سلطان
پرنٹر یمانی پرنس

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈرز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ
اردو بازار لاہور - فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 1

د لیر مجرم

(کامل ناول)

دیباچہ

”دلیر مجرم“ دوبارہ پیش کرتے وقت خیال ہوا کہ اس میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں، لیکن میری علاالت نے باز رکھا اور پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ اس ناول میں آج تبدیلیاں کرتا جو ۵۲۰ء میں لکھا گیا ہو بالکل ایسا ہو گا جیسے کوئی بالغ آدمی اپنے بچپن کی تصویر میں ڈاڑھی اور موچھوں کا اضافہ کر دے۔

لہذا یہ ناول جوں کا توں اپنی اصلی حالت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ اس زمانے کی کہانی ہے جب میاں حیدر محبوباؤں کے لئے بڑی سنجیدگی سے دوچار آنسو بھی بہالیا کرتے تھے اور کسی حد تک افلاطونی عشق کے بھی قائل تھے۔ بہر حال وہ اتنے اسارت نہیں تھے جتنے آج کل نظر آتے ہیں! فریدی کی شخصیت میں بھی تھوڑا کپاپن تھا لیکن اس کے باوجود بھی وہ آپ کو اس پوری کہانی پر چھایا ہوا نظر آئے گا۔

ابن سعید

عجیب و غریب قتل

”مجھے جانا ہی پڑے گا مایی۔“ ڈاکٹر شوکت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اور کوٹ کی دوسری آسمیں میں ہاتھ دالتے ہوئے کہا۔

”ایشور تمہاری رکشا کرے اور اس کے سوا میں کہہ ہی کیا سکتی ہوں۔“ بورڈی سیتا دیوی بولیں۔ ”لیکن سر میں اچھی طرح مقلر لپیٹ لو..... سردی بہت ہے۔“

”مایی.....!“ ڈاکٹر شوکت پچھانے انداز میں بولا۔ ”آپ تو مجھے پچھے بنائے دے ری ہیں..... مقلر سر میں لپیٹ لوں..... ہاہاہا.....!“

”اچھا بوز ہے میاں! جو تمہارا جی چاہے کرو۔“ سیتا دیوی من پھیلا کر بولیں۔ ”مگر میں کہتی ہوں یہ کیسا کام ہو گیا..... نہ دن جیجن نہ رات جیجن۔ آج آپ پریشن کل آپریشن۔“

”میں اپنی اچھی مایی کو کس طرح سمجھاؤں کہ ڈاکٹر خود آرام کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے ہوتا ہے۔“

”میں نے تو آج خاص طور سے تمہارے لئے میکرو فن تیار کرائی تھی کیا رات کا کھانا بھی شہری میں کھاؤ گے۔“ سیتا دیوی بولیں۔

”کیا کروں مجبوری ہے..... اس وقت سات نجگر ہے ہیں۔ تو بیچ رات کو آپریشن ہو گا۔ کیس ذرا نازک ہے..... ابھی جا کر تیاری کرنی ہو گی..... اچھا خدا حافظ۔“

ڈاکٹر شوکت اپنی چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سول ہسپتال میں اسٹنٹ سرجن کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ دماغ کے آپریشن کا ماہر ہونے کی

حیثیت سے اس کی شہرت دور دور تک تھی۔ حالانکہ ابھی اس کی عمر کچھ اُنکی نہ تھی وہ چوبیس بھیں
برس کا ایک خوبصورت اور وجہہ نوجوان تھا۔ اپنی عادات و اطوار اور سلیقہ مندی کی بناء پر وہ
سو سائی میں عزت کی نظرؤں سے دیکھا جاتا تھا۔ قربانی کا چند بہ تو اس کی قدرت ثانیہ بن گیا
تھا۔ آج کا آپ پریش وہ کل پر بھی ہال سکتا تھا لیکن اس کے ضمیر نے گوارہ نہ کیا۔

سیتا دیوی اکثر اس کی بھاگ دوڑ پر جلا بھی جایا کرتی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے بیٹے
کی طرح پالا تھا۔ وہ ہندو دھرم کو مانتے والی ایک بلند کردار خاتون تھیں انہوں نے اپنی دم توڑتی
ہوئی سینیلی جعفری خانم سے جو وعدہ کیا تھا اسے وہ آج تک بھائے جاری تھی۔ انہوں نے ان
کے بیٹے کو ان کی وصیت کے مطابق ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم دلا کر اس قابل کر دیا تھا۔ وہ آج
سارے ملک میں اچھی خاصی شہرت رکھتا تھا۔ اگرچہ شوکت کی والدہ اس کی تعلیم کے لئے
معقول رقم چھوڑ کر مری تھیں۔ لیکن کسی دوسرے کے بچے کو پالنا آسان کام نہیں اور پھر پچھلی بھی
ایسا جس کا تعلق غیر مذہب سے ہو۔ اگر وہ چاہتی تو اسے اپنے مذہب پر چلا کتھی تھیں لیکن ان کی
نیک نیت نے اسے گوارہ نہ کیا۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اس کی دینی تعلیم کا
بھی محتول انتظام کیا تھا۔ سہی وجہ تھی کہ وہ نوجوان ہونے پر بھی شوکت علی ہی رہا۔ سیتا دیوی
کے برادری کے لوگوں نے ایک مسلمان کے ساتھ رہنے کی بناء پر ان کا بایکاٹ کر رکھا تھا مگر وہ
اپنے مذہب کی پوری طرح پابند تھیں اور شوکت کو اس کے مذہبی احکام کی قنیل کے لئے مجبور
کرتی رہتی تھیں۔ وہ ڈاکٹر شوکت اور ایک ملازمہ کے ساتھ نشاط اگرناہی قصبہ میں رہ رعنی تھیں۔
جو شہر سے پانچ میل کی دوری پر واقع تھا۔ یہ ان کی اپنی ذاتی کوٹھی تھی۔ وہ جوانی عی میں یہ وہ
ہو گئی تھیں۔ ان کے شوہر اچھی خاصی جائیداد کے مالک تھے جو کسی قریبی عزیز کے نہ ہونے کی
بناء پر پوری کی پوری انہیں کے حصے میں آئی تھی۔

ڈاکٹر شوکت کے ٹپے جانے کے بعد انہوں نے ملازمہ سے کہا۔ ”میرے کمرے میں
قدیل مت جلانا۔ میں آج شوکت ہی کے کمرے میں سوؤں گی۔ وہ آج رات بھر بھتار ہے
گا۔ میں نہیں چاہتی کہ جب وہ صبح کو آئے تو اپنے بستر کو برف کی طرح شھدا اور ان پاٹے۔ جاؤ

جا کر اس کا بستر بچھا دو۔"

نو جوان خادم انہیں حرمت سے دیکھ رہی تھی۔ آج پہلی بار اس نے انہیں اس قسم کی لفڑیوں کرتے سنا تھا۔ جو پر معنی بھی تھی اور مٹھکر خیز بھی۔ وہ کچھ کہنا عی پا ہتی تھی کہ پھر اسے ایک ماہتا بھرے دل کی جھلک سمجھ کر خاموش ہو رہی۔

"کیا سوچ رہی ہو۔" سیتا دیوی بولیں۔

"تو کیا آج رات ہم تنہار ہیں گے؟" خادم اپنی آواز ڈھپی کر کے بولی۔ "وہ شخص آج پھر آیا تھا۔"

"کون شخص....؟"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے۔ لیکن میں نے کل رات کو بھی اس کو باخ میں چھپ چھپ کر چلتے دیکھا تھا۔ کل تو میں سمجھتی تھی کہ شاید وہ کوئی راست بھولا ہوا راگیر ہو گا۔ مگر آج چھبے کے قریب وہ پھر دکھائی دیا تھا۔"

"آچھا.....!" سیتا دیوی سوچ کر بولیں۔ "وہ شاید ہماری مرغیوں کی ٹاک میں ہے۔ میں سمجھ ہی تھانے کے دیوان سے کھوں گی۔"

سیتا دیوی نے یہ کہہ کر اس کو اطمینان دلا دیا۔ لیکن خود ابھی میں پڑ گئیں۔ آخر یہ پراسرار آدمی ان کی کوشی کے گرد کیوں منڈلا تارہتا ہے۔ انہیں اپنے نہ ہی محبکداروں کی دھمکی اچھی طرح یاد تھی۔ لیکن اتنے عرصے کے بعد ان کی طرف سے بھی کوئی خطرناک اقدام کوئی خاص معنی نہ رکھتا تھا۔ اس قسم کی نہ جانے کتنی محنتیں ان کے ذہن میں ریختی تھیں۔ آخر کار دھمک ہار کر تکین قلب کے لئے انہیں اپنے پہلے ہی خیال کی طرف لوٹ آنا پڑا۔ یعنی وہ شخص وہ کوئی معمولی چور تھا جسے ان کی مرغیاں پسند آگئی تھیں۔ جیسے ہی تھانے کے گھنٹے نے دس بجائے وہ سونے کے لئے ڈاکٹر شوکت کے کمرے میں چلی گئیں، انہوں نے رات کھانا بھی نہیں کھایا۔

خادم ان کی افاد طبع سے واقف تھی۔ اس نے اس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔ تمہاری دری کے بعد وہ بھی سونے کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ لیٹنے ہی والی تھی کہ اس نے صدر دروازے

کو دھا کے کے ساتھ بند ہوتے سن۔ اسے خیال پیدا ہوا کہ ڈاکٹر شوکت خلاف توقع واپس آگئا ہے۔ وہ برآمدے میں نکل آئی۔ باغ میں سبیتا دیوی کی غصیلی آواز سنائی دی۔ وہ کسی سرد سے تیز لمحے میں بات کر رہی تھیں۔ وہ حیرت سے سننے لگی۔ وہ ابھی باہر جانے کا ارادہ ہی کر رہی تھی کہ سبیتا دیوی بڑی طاقتی ہوئی آتی دکھائی دیں۔

”تم....!“ وہ بولیں۔ ”ارے لڑکی تو کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑی ہے۔ اس سردی میں بغیر کمبل اوڑھے باہر نکل آئی ہے..... نہ جانے کیسی ہیں آج کل کی لڑکیاں۔“

”کون تھا....!“ خادم نے ان کی بات سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

”وہی آدمی تو نہیں تھا۔“ خادم نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

”نہیں وہ نہیں تھا۔ سردی بہت ہے۔ صبح بتاؤں گی..... اچھا اب جاؤ۔“

خادمہ متھیر ہوتی ہوئی چلی گئی۔ ہر چند کہ اس واقعہ کی کوئی اہمیت نہ رہی ہو لیکن یہ اسے حد درج پر اسرار معلوم ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ خراٹے لینے لگی۔

دوسرے دن صبح آٹھ بجے جب ڈاکٹر شوکت واپس آیا تو اس نے ملازمہ کو حد درج پریشانی اور سر ایسیگی کی حالت میں پایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ سبیتا دیوی خلاف معمول ابھی سوری ہیں۔ حالانکہ ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ صبح تقریباً پانچ عصی بجے سے اٹھ کر پوچھا پاٹھ کے انتظام میں مشغول ہو جایا کرتی تھیں۔ شوکت کو بھی اس واقعہ سے تشویش ہو گئی۔ لیکن اس نے پھر سوچا کہ شاید رات میں زیادہ دیر تک جاگی ہوں گی۔ اس نے ملازمہ کو اطمینان دلا کر راشٹر لانے کو کہا۔ نوع گئے لیکن سبیتا دیوی نہ اٹھیں۔ اب شوکت کی پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس نے دروازہ پینٹا شروع کیا۔ لیکن بے سود..... اندر سے کوئی جواب نہ ملا تھا۔ ہمار کراس نے ایک بڑھی بلوایا۔

دروازہ نوئے عی اس کی چیخ نکل گئی۔

سبیتا دیوی سر سے پاؤں تک کمبل اوڑھے چت لیٹی ہوئی تھی اور ان کے سینے میں ایک خیز اس طرح پوست تھا کہ صرف ایک درست نظر آ رہا تھا۔ بستر خون سے تر تھا۔

ڈاکٹر شوکت ایک مضبوط دل کا آدمی ہوتے ہوئے بھی تھوڑی دیر کے لئے بیچوں سا ہو گیا۔ ہوش آتے ہی وہ بیچوں کی طرح سکیاں لیتا ہوا زمین پر گرد پڑا۔

انسپکٹر فریدی

سارے گھر میں ایک عجیبی ماتحتی فضاظاری تھی۔ قصہ کے تھانے پر اطلاع ہو گئی تھی اور اس وقت ایک سب انسپکٹر اور دو ہیڈل کائیبل مفتوہ کے کمرے کے سامنے بیٹھے سرگوشیاں کر رہے تھے۔ خادم کے بیان پر انہوں نے اپنی تشویش کے گھوڑے دوڑا نے شروع کر دیئے تھے۔ ان کے خیال میں وہی پراسرار آدمی قاتل تھا جو رات کو باعث میں نہلا ہوا پایا گیا تھا اور سیتا دیوی رات میں اسی سے جگڑا کر رہی تھیں۔ ڈاکٹر شوکت ان کی بیچوں سے قطعی غیر مطمئن تھا جیسے ہیسے وہ اپنی تحریک کا اظہار کر رہے تھے اس کا غصہ بروختا چارہ تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے قصہ کی پولیس کو ناکارہ سمجھتا تھا۔ اسی لئے اس نے جگد راغ رسانی کے انسپکٹر فریدی کو ایک نجی خط لکھ کر بلوایا تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ فریدی ان چند انسپکٹروں میں تھا جو بہت ہی اہم کاموں کے لئے وقف تھے لیکن ذاتی تعلقات کی بناء پر ڈاکٹر شوکت کو پورا یقین تھا کہ اسے یہ کیس سرکاری طور پر نہ بھی سونپا گیا تو وہ نجی طور پر اسے اپنے ہاتھ میں لے لے گا۔

تریا دو گھنے کے بعد انسپکٹر فریدی بھی اپنے اسٹاف سرجنت حید کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ انسپکٹر فریدی تیس بیس سال کا ایک تویی یوکل جوان تھا۔ اس کی کشاور پیشانی کے لیے دو بڑی بڑی خواب آلو داں بکھیں اس کی ذہانت اور تدریکی آئینہ دار تھیں۔ اس کے لباس کے روکھ رکھاؤ اور تازہ شیوں سے معلوم ہو رہا تھا وہ ایک با اصول اور سلیقہ مند آدمی ہے۔ سرجنت حید کے خدوخال میں قدرے زنانہ پن کی جملک تھی۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بے جا تازہ بداریوں اور اپنے حسن کی نمائش کا عادی ہے۔ اس نے کوئی بہت ہی تیز خوبیوں والا بیٹن لگا

رکھا تھا۔ اس کی عمر چوبیں سال سے زیادہ تھی لیکن اس چھوٹی سی عمر میں بھی وہ بلا کاڑ ہیں تھا۔ اسی ذہانت کی بناء پر انپکٹر فریدی کے تعلقات اس سے دوستانہ تھے۔ دونوں کی آپس کی ٹھنڈگو سے افری یا ماتحتی کا پتہ لگانا ممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

تحانے کے سب انپکٹر اور دیوان ان کی غیر متوقع آمد سے گھبرا سے گئے کیونکہ انہیں ان کے آنے کی اطلاع نہ تھی۔ انہیں ان کی غیر ضروری آمد پکھنا گواری گذری۔

”ڈاکٹر شوکت....!“ فریدی نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اس نقصان کی خلافی ممکن ہے البتہ رسمی طور پر میں اپنے غم کا انہمار ضرور کروں گا۔“

”انپکٹر آج میری ماں مر گئی۔“ شوکت کی آنکھوں میں آنسو چکل آئے۔

”صبر کرو..... تمہیں ایک مضبوط دل کا آدمی ہونا چاہئے۔“ فریدی نے اس کا شانہ تھکتے ہوئے جواب دیا۔

”کہنے دار و غصی کچھ سراغ ملا۔“ اس نے سب انپکٹر کی طرف مڑ کر کہا۔

”اے صاحب! ہم بیچارے بھلا سراغ لگانا کیا جائیں۔“ سب انپکٹر ٹھری یا انداز میں بولا۔

فریدی نے جواب کی تکمیل محسوس ضرور کی لیکن وہ صرف مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

”شوکت صاحب! یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں آج کل چھٹی پر ہوں۔“ فریدی بولا۔ ”اور پھر دوسری بات یہ کہ عموماً قتل کے کیس اس وقت ہمارے پاس آتے ہیں جب سول پولیس تفتیش میں ناکام رہتی ہے۔“

تحانے کے انپکٹر کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔

انپکٹر فریدی نے اس تغیر کو محسوس کر لیا اور اپنے مخصوص دل آزار اور شرارت آمیز لبجوں میں بولا۔ ”لیکن میں ذاتی تعلقات کی بناء پر خجی طور پر اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں گا۔“ تحانے کے سب انپکٹر کی آنکھوں کی چمک دفعھا اس طرح غالب ہو گئی جیسے سورج کا چہرہ سیاہ بادل ڈھانپ لیتے ہیں۔ اس کا منہ لٹک گیا۔

فریدی نے واقعات سننے کے بعد خادمہ کا بیان لینے کی خواہش ظاہر کی۔ خادمہ نے

شروع سے آخر تک رات کے سارے واقعات دھرا دیئے۔

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ رات میں تم نے ان واقعات کے بعد بھی کوئی آواز سنی تھی۔"

"بھی نہیں..... سوائے اس کے کہہ دیوی بھی کے بڑھانے کی آواز تھی۔ وہ اکثر سوتے وقت بڑھایا کرتی تھیں۔"

"ہوں..... کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ کیا بڑھا رہی تھیں۔"

"کچھ بے ربط باتیں تھیں۔ بھریے یاد کر کے ہتھی ہوں۔ ہاں ٹھیک یاد آیا۔..... وہ راج روپ گھر..... راج روپ گھر چلا رہی تھیں۔ میں نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ میں ان کی عادت سے واقف تھی۔"

"راج روپ گھر.....!" فریدی کی ندیمی سے دھرا لیا اور کچھ سوچنے لگا۔

"حمدید..... تم نے اس سے پہلے بھی یہ نام سنا ہے؟"

حمدید نے لنگی میں سر ہلا دیا۔

"ڈاکٹر شوکت تم نے۔"

"میں نے تو آج تک نہیں سن۔"

"کیا سبتا دیوی نے بھی یہ نام کبھی نہیں لیا۔"

"میری یادداشت میں تو نہیں۔" ڈاکٹر شوکت نے ذہن پر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔

"ہوں..... اچھا.....!" فریدی سننے کہا۔ "اب میں ڈرالاٹ کا معاون کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ سب لوگ اس کمرے میں آئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ چار پائی کے سرہانے والی کھڑکی کی کھلی ہوئی تھی۔ اس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ اسپکڑ فریدی دیر تک لاش کا معاون کرنا رہا۔ پھر اس نے وہ چمرا سب اسپکڑ کی اجازت سے محتولہ کے بینے سے سمجھ لیا اور اس کے دستوں پر انگلیوں کے نشانات ڈھونڈنے لگا۔

پھر کھڑکی کی طرف گیا اور جک کر یونچے کی طرف دیکھنے لگا۔ کھڑکی سے تمن فٹ یونچے تقریباً ایک فٹ چوڑی کا رنس تھی جس سے ایک بانس کی سیڑھی بھی ہوئی تھی۔ کھڑکی پر پڑی ہوئی

گرد کی تہہ کنی جگہ سے صاف تھی اور ایک جگہ پاٹھ کی پانچوں الگیوں کے نشان۔ ”یہ تو صاف ظاہر ہے کہ کہ قاتل اس کھڑکی سے داخل ہوا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ تو اتنا صاف ہے کہ گھر کی خادمہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔“ تھانے کے سب انکشڑے مضمک اڑانے کے انداز میں کہا۔

فریدی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے خیبر کا جائزہ لینے لگا۔

”قاتل نے دستانے پھن رکھے تھے اور وہ ایک مشاق خیبر باز معلوم ہوتا ہے۔“ انکشڑ فریدی بولا۔ ”اور وہ ایک غیر معمولی طاقتور انسان ہے..... داروندھ جی اس خیبر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔“

”خیبر..... جی ہاں یہ بھی بہت مضبوط معلوم ہوتا ہے۔“ سب انکشڑ مسکرا کر بولا۔

”جی نہیں میں اس کی ساخت کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔“

”اس کی ساخت کے بارے میں صرف لوہاری بتا سکتے ہیں۔“

”جی نہیں..... میں بھی بتا سکتا ہوں۔ اس قسم کے خیبر نیپال کے علاوہ اور کہیں نہیں بنتے۔“

”نیپال.....!“ ڈاکٹر شوکت تحریر آمیز لہجہ میں بولا اور بے تابان انداز میں ایک قدم پیچھے

ہٹ گیا۔

”کیوں..... کیا بات ہے۔“ فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

”کوئی بات نہیں۔“ شوکت نے خود پر قابو حاصل کرتے ہوئے کہا۔

”خیبر ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس قسم کے خیبر سوائے نیپال کے اور کہیں نہیں ہٹائے جاتے اور ڈاکٹر میں تم سے کہوں گا ک.....!“ ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ایک کاشیبل نے آ کر اطلاع دی کہ اس شخص کا پیٹ لگ گیا ہے جس سے کل رات سیتا دیوی کا جھگڑا ہوا تھا۔

سب لوگ بے تابان انداز میں دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر ایک باوردی کاشیبل کھڑا تھا۔ آنے والے کاشیبل نے بتایا رات سیتا دیوی اسی سے جھگڑا رہی تھی۔ وہ رات اس طرف سے گزر رہا تھا کہ سیتا دیوی نے اسے پکارا۔ اسے جلدی تھی کیونکہ وہ گشت پر جا رہا تھا۔ لیکن وہ

پھر بھی چلا آیا۔ سیدا دیوی نے اسے بتایا کہ کوئی آدمی ان کی مرغیوں کی تاک میں ہے اور اس سے ادھر کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ اس نے جواب دیا کہ پولیس مرغیاں تاکنے کے لئے نہیں ہے اور پھر وہ دوسری چوکی کا انتیبل ہے، اسی پر بات بڑھ گئی اور بھڑا ہونے لگا۔

خانے کا داروغہ اسے الگ لے جا کر اس سے پوچھ چکھ کرنے لگا اور فریدی نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ ”ہاں تو ڈاکٹر میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ یہ خبر دراصل تمہارے سینے میں ہونا چاہئے تھا۔ سیدا دیوی دھوکے میں قل ہو گئیں اور جب قائل کو اپنی غلطی کا علم ہو گا تو وہ پھر تمہارے پیچے پڑ جائے گا۔ اب پھر اسی کمرے میں چل کر میں اس کی تشریح کروں گا۔“ اس انکشاف پر سب کے سب بوکھلا گئے۔ شوکت گھبراہٹ میں جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہا تھا۔ داروغہ جی کی آنکھیں جیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور سرجنت حمید انہیں منحکہ خیز انداز میں گھور رہا تھا۔

سب لوگ پھر لاش والے کمرے میں واپس آئے۔ انکلہ فریدی کھڑکی کی کارنس پر اتر گیا اور اس لاکن کے سارے کروں کی کھڑکیوں کا جائزہ لیتا ہوا لوٹ آیا۔

اب معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا کہ سیدا دیوی ڈاکٹر ہی کے دھونکے میں قل ہوئی ہے۔ اگر قائل سیدا دیوی کو قل کرنا چاہتا تھا تو اسے یہ کیا معلوم کر سیدا دیوی شوکت کے کمرے میں سوئی ہوئی تھی۔ اگر وہ لاش کرتا ہوا اس کمرے تک پہنچتا تھا تو دوسری کھڑکیوں پر بھی اس تھم کے نشانات ہو سکتے تھے جیسے کہ اس کھڑکی پر ملے ہیں اور پھر سیدا دیوی کے قل کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی وہ ان کی جائیداد۔ اگر ان کا ترکر ان کے کسی عزیز کو پہنچتا ہوتا تو وہ انہیں اب سے دس برس قبل ہی قل کر دیتا کردار ہے۔ جبکہ انہوں نے اپنی جائیداد دھرم شالہ کے نام وقف کرنے کا صرف ارادہ ہی کیا تھا۔ اب جبکہ دس سال گزر چکے ہیں اور جائیداد کے متعلق پوری قانونی وصیت محفوظ ہے ان کے قل کی کوئی معقول وجہ سمجھنے میں نہیں آسکتی اگر قائل چوری کی نیت سے اتفاق افاس کرے میں داخل ہوا جس میں وہ سورجی تھیں تو کیا وجہ ہے کہ کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔

”ممکن ہے کہ اس کمرے میں اس کے داخل ہوتے ہی محتول جاگ اٹھی ہو اور وہ پکڑے

جانے کے خوف سے اسے قتل کر کے کچھ چائے بغیر ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ ”داروغہ جی نے اپنی دانت میں بڑا تیر مارا۔

”مائی ڈیز.....!“ فریبی جوش میں بولا۔ ”لیکن میں ثابت کر سکتا ہوں کہ قاتل حملہ کے بعد کافی دیر تک اس کربے میں بھرا ہے۔“

سب انپکڑ کے چہرے پر تخر آمیز مسکراہٹ بھیل گئی اور سرجنت حمید اسے دانت پیس کر گھومنے لگا۔

انپکڑ فریبی نے نہایت سکون کے ساتھ کہنا شروع کیا۔ ”جس وقت شوکت نے مقتول کو دیکھا وہ سر سے پیروں کبل اوڑھے ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس سے پہلے کوئی کرمے میں داخل بھی نہ ہو سکتا تھا کیونکہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ لہذا لاش پر پہلے شوکت ہی کی نظر پڑی۔ اس لئے کسی اور کے منہ ڈھانکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ذرا لاش کے قریب آئیے..... داروغہ جی میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھنے مقتول کا خپلا ہوتا ہے اس کے دانتوں میں دب کر رہا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاتل نے ایک ہاتھ سے مقتول کا منہ دبایا تھا اور دوسرا ہاتھ سے دار کیا تھا۔ پھر فوراً ہی منہ دبائے ہوئے اس کے پیروں پر بیٹھ گیا تھا تاکہ وہ جینش نہ کر سکے اور وہ اس حالت میں اس وقت تک رہا جب تک کہ مقتول نے دم نہ توڑ دیا۔ ہونٹ کا دانتوں میں دبایا ہوتا ظاہر کر رہا ہے کہ وہ تکلیف کی شدت میں صرف اتنا کر سکی کہ اس نے دانتوں میں ہونٹ لیا لیکن قاتل کے ہاتھ کے دباؤ کی وجہ سے ہونٹ پھر اپنی اصلی حالت پر نہ آ سکا اور اسی حالت میں اس خندی ہو گئی۔ قاتل کو اپنے مقصد کی کامیابی پر اتنا یقین تھا کہ اس نے کمیل الٹ کر اپنے شکار کا چہرہ تک دیکھنے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ ممکن ہے کہ اس نے بعد میں منہ کھول کر دیکھا بھی ہو مگر نہیں اگر ایسا کرتا تو پھر دوبارہ ڈھانک دینے کی کوئی ایسی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔“

”سیا یہ ممکن نہیں کہ یہ خود کشی کا کیس ہو۔“ سب انپکڑ نے پھر اپنی قابلیت کا اظہار کیا۔ ”جناب والا.....!“ سرجنت حمید بولا۔ ”اتی عمر آئی لیکن کبل اوڑھ کر آرام سے بخیر

گھوپ لینے والا ایک بھی نہ ملا کہ میں اس کی قدر کر سکتا۔“
سب اسکڑ نے بھیپ کر سر جھکایا۔

اسکڑ فریدی ان سب باتوں کو سنی ان سنبھل کے ڈاکٹر شوکت کو بخاطب کر کے بولا۔
”ڈاکٹر..... تمہاری جان خطرے میں ہے۔ ہر ممکن احتیاطی تذمیر کرو۔ یہ پلاٹ تمہارے
ہی قتل کے لئے بنایا گیا تھا۔ سوچ کر ہتاو کیا تمہارا کوئی ایسا دشمن ہے جو تمہاری جان تک لے
لینے میں دریغ نہ کرے گا۔“

”میری دانست میں تو کوئی ایسا آدمی نہیں۔ آج تک میرے تعلقات کسی سے خراب
نہیں رہے لیکن تمہرے یے..... آپ کو یاد ہو گا کہ میں نیپالی خبرگز کے ذکرے پر بے اختیار چونک
پڑا تھا..... تقریباً پندرہ یوم کا تذکرہ ہے کہ ایک رات میں ایک بہت ہی خطرناک حتم کا آپریشن
کرنے جا رہا تھا کہ ایک اچھی حیثیت کا نیپالی میرے پاس آیا اور مجھ سے درخواست کی کہ میں
اسی وقت ایک مریض کو دیکھ لوں۔ جس کی حالت خطرناک تھی۔ میں نے محفوظ وہی خلاہر کی۔ وہ
رونے اور گزگزانے لگا۔ لیکن میں مجبور تھا۔ کیونکہ پہلے ہی سے ایک خطرناک کیس میرے پاس
تھا۔ خطرہ تھا کہ اسی رات اس کا آپریشن نہ کیا گیا تو مریض کی موت واقع ہو جائے گی۔ آخر
جب وہ نیپالی مایوس ہو گیا تو مجھے برا بھلا کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔“

”وسرے دن صبح جب میں ہسپتال جا رہا تھا تو جچ روڈ کے چوراہے پر پڑوں لینے کے
لئے رکا تو دہاں مجھے وہی نیپالی نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے نظرت سے برا سامنہ بنایا اور اپنی
زبان میں کچھ بول دیا تھا اپنے سر میری طرف مکاتا ن کر کہنے لگا۔“

”شلا..... ہمارا آدمی مر گیا۔ اب ہم تمہاری خبر لے لے گا۔“ میں نے ہس کر موڑ
اشارت کی۔

”ہوں اچھا.....!“ فریدی بولا۔ ”اس کی شکل و صورت کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔“
”یہ ذرا مشکل ہے کیونکہ مجھے تو سارے نیپالی ایک ہی جیسی شکل و صورت کے لگتے
ہیں۔“ ڈاکٹر شوکت نے جواب دیا۔

”خیر اپنی حفاظت کا خاص خیال رکھو..... اچھا داروغہ جی میرا کام ختم..... ڈاکٹر شوکت میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس کیس کو میں اپنے ہاتھ میں لوں گا لیکن مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بناء پر ایسا نہ کر سکوں گا۔ میرا خیال ہے کہ داروغہ جی بخشن و خوبی اس کام کو انجام دیں گے۔ اچھا باب اجازت چاہوں گا۔ ہاں ڈاکٹر ذرا کارٹک چلو میں تمہارے تحفظ کے لئے تمہیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں..... اچھا داروغہ جی آداب عرض۔“

کار کے قریب پہنچ کر فریدی نے جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکالا اور ڈاکٹر شوکت کو تھما دیا۔ ”یہ لوح حفاظت کے لئے میں تمہیں دیتا ہوں..... اور کل تک اس کا لائسنس بھی تم تک پہنچ جائے گا۔“

”جی تھیں..... شکریہ اس کی ضرورت نہیں.....!“ ڈاکٹر شوکت نے منہ پھلا کر جواب دیا۔ ”حق آدمی گلڑ گئے کیا....؟ کیا حق مجھ تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس واقعہ کی تفتیش نہ کروں گا۔ ہاں ان گدھوں کے سامنے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ مجھی تفتیش سے انکار کر دوں۔ یہ کم بخت صرف یہے افراد تک شکایت پہنچانے میں قابل ہوتے ہیں۔“ ڈاکٹر شوکت کے پیڑے پر رونق آگئی اور اس نے روپا الور لے کر جیب میں ڈال لیا۔

”دیکھو جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے مجھے بلوا لیتا۔ بہت ممکن ہے کہ میں وہ بچے رات تک پھر آؤں۔ ہوشیاری سے رہنا..... اچھا خدا حافظ۔“

ڈرامجور نے کار اسٹارٹ کر دی۔

سورج آہستہ آہستہ غروب ہو رہا تھا۔

قاتل کا قتل

”کیوں بھتی کہو کیسا کیس ہے۔“ فریدی نے سکار سلاک کر سارجنٹ حمید کی طرف جھکتے

ہوئے کہا۔ ”میرے خیال میں تو ایسا دچپ کیس بہت دنوں کے بعد ہاتھ آیا ہے۔“

”آپ تو دن رات کیسوں ہی کے خواب دیکھا کرتے ہیں۔ کچھ حسین دنیا کی طرف بھی نظر دوزائیے۔“ حمید بیڑا ری سے بولا۔

”تو اسکا یہ مطلب کہ تم اس میں دچپی نہ لو گے۔ میں تو آج یہ تفتیش شروع کر رہا ہوں۔“

”بس مجھے تو معاف ہی رکھئے۔ میں نے تفعیل اوقات کیلئے ایک ماہ کی چھٹی نہیں لی۔“

”بیکاری میں تمہارا دل نہ گھبراۓ گا.....؟“

”بیکاری کیسی۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے ابھی حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔“

”ایک عدد.....!“ فریدی نے نہ کہا۔ ”اگر اس تفتیش کے سلسلے میں کئی عدد اور ہو جائیں تو کیا مضاائقہ ہے۔“

”شاید آپ کا اشارہ ڈاکٹر ہشوکت کی توجہ ان خادم کی طرف ہے۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔ ”معاف کیجئے گا..... میرا معیار اتنا گرا ہوا نہیں ہے۔“

”بڑے گدھے ہوتم..... مجھے اس کا خیال بھی نہ تھا۔“ فریدی نے سگار منہ سے نکال کر کہا۔ ”خیر ہٹاؤ..... کوئی اور بات کریں۔ ہاں بھی نہیں کہ دو تین دن ہوئے رہلوے گروئی پر سرکس آیا ہوا ہے، بہت تعریف سنی ہے، چلو آج سرکس دیکھیں۔ صرف ساڑھے چار بجے ہیں۔ کھیل سات بجے شروع ہو گا۔ اتنی دیر میں ہم لوگ کھانا بھی کھالیں گے۔“

”اے..... یہ کیا پڑ پہنچی کرنے جا رہے ہیں۔ ارے لا حول والا..... آپ اور نویات..... یقین نہیں آتا کیا آپ نے سراغ رسانی سے توبہ کر لی۔“ حمید نے عجیب سامنہ بنا کر کہا۔

”تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہاں میں بے مطلب جا رہا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ سراغ رسانی کیسے کی جاتی ہے۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”معاف کیجئے گا..... اس وقت تو آپ کسی چھپیے والے جاسوسی ناول کے مشہور جاسوس

کی طرح بول رہے ہیں۔ ”حمد بولا۔

”تم نے تو سرکس کا اشتہار دیکھا ہو گا۔ بھلا بتاؤ کس کھیل کی خصوصیت کیا تھی تعریف تھی۔“

”ایک نیپالی کا موت کے خبر کا کھیل۔“ حمید نے جواب دیا۔ پھر اچھل کر کہنے لگا۔ ”کیا

مطلوب....!“

فریدی نے اس کے سوال کو ہلتے ہوئے کہا۔ ”اچھا اس کھیل میں ہے کیا.... تم تو ایک

بارشاند و یکجہی آئے ہو۔“

”ہاں ایک لوکی لکڑی کے تخت سے الگ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور ایک نیپالی اس طرح خبر پھینکتا ہے کہ وہ اس کے چاروں طرف لکڑی کے تخت میں چھتے جاتے ہیں۔ آخر میں جب وہ ان خبروں کے درمیان سے نکلتی ہے تو لکڑی کے تخت پر چھے ہوئے خبروں میں اس کا خاکہ سا بنارہ جاتا ہے۔ بھی واقعی کمال ہے، اگر خبر ایک سوت بھی آگے بڑھ کر پڑے تو لوکی کا قلع قع ہو جائے۔“

”اچھا ان خبروں کی لمبائی کیا ہو گی۔“ فریدی نے گارکاش لے کر کہا۔

”میرے خیال سے وہ خبر دیسے ہیں جیسا کہ آپ نے مقولہ کے بینے سے ٹالا تھا۔“

”بہت خوب....!“ فریدی اطمینان سے بولا۔ ”اچھا تو یہ بتاؤ کہ خبر کا کتنا حصہ لکڑی کے

تخت میں کھس جاتا ہو گا۔“

”میرے خیال میں چوتھائی۔“

”معمولی طاقت والے کے بس کا روگ نہیں۔“ فریدی نے حمید کی پینچھے خوکتے ہوئے

جوش میں کہا۔ ”اچھا میرے دوست آج سرکس ضرور دیکھا جائے گا۔“

”آخر آپ کا مطلب کیا ہے؟“ حمید بے چینی سے بولا۔

”ابھی فی الحال تو کوئی خاص مطلب نہیں۔ بقول تمہارے ابھی تو میری ایکیم کسی چھپے

والے ناول کے سرانغ رسائی کی ایکیم کی طرح معلوم ہو رہی ہے آگے اللہ مالک ہے۔“

”آخر کچھ بتائے تو....!“

"کیا یہ ممکن نہیں کہ سیدادیوی کے قتل میں اسی نیپالی کا ہاتھ ہو۔"

"یوں تو اس کے قتل میں میرا بھی ہاتھ ہو سکتا ہے۔" "جمید فس کر بولا۔"

"تم نہیں سمجھتے..... ایک بھی شیخ حورت کی لاش کو پھر کرنے سے روک دینا کسی معمولی طاقت والے آدمی کا کام نہیں۔ ایک ذرع کے ہوئے مرغ کو سنگالنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر جس شخص نے ڈاکٹر شوکت کو حملی دی تھی وہ بھی نیپالی ہی تھا۔ انکی صورت میں کیوں نہ ہم اس شب سے فائدہ اٹھائیں۔ میں یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہتا کہ قتل میں سرکس والے نیپالی ہی کا ہاتھ ہے۔ پھر بھی دیکھ لینے میں کیا مفہاہت ہے۔ اگر کوئی سراغ نہ مل سکتا تو تفریح ہی ہو جائے گی۔"

"خیر میں سرکس دیکھنے سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں تقریباً دو درجن لاکھیاں کام کرتی ہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ وہاں محیل کے دوران میں آپ بحث مباحث کر کے میرا ہڑہ کر کریں۔"

"تم چلو تو سہی..... مجھے یہ بھی معلوم ہے۔" فریدی نے بجھا ہوا سگار سلاکا کر کہا۔

شہر پہنچ کر ان کی حرمت کی کوئی انہماں رہی جب انہوں نے ایونگ نیوز میں شاٹاگر کے قتل کا حال پڑھا۔ اس پر انپکٹر فریدی کے دلائل کا ایک ایک لفظ تحریر تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ انپکٹر فریدی نے نجی طور پر موقعہ واردات کا معائنہ کیا تھا لیکن انہوں نے نجی تفتیش کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ انپکٹر فریدی چھ ماہ کی رخصت پر ہیں۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ شاکندر سرکاری طور پر بھی یہ کام ان کے پر دنہ کیا جاسکے۔

"میرے خیال سے جس شخص کو ہم لوگ ڈاکٹر کا پڑوی سمجھ رہے تھے وہ ایونگ نیوز کا نامہ نگار تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اب تک تو حالات ہمارے ہی متوافق ہیں۔ اس خبر کا آج ہی شائع ہو جانا بڑا چھا ہوا۔ اگر واقعی سرکس والا نیپالی ہی قاتل ہے تو ہم با آسانی اس پر اس خبر کا رد عمل دیکھ سکیں گے۔"

"ہوں.....!" "جمید کچھ سوچتے ہوئے یوں ہی بے خیالی میں بولا۔"

"کیا کوئی نئی بات سمجھی۔" فریدی نے کہا۔

"میں کہتا ہوں آخر دروسی مول لینے سے فائدہ؟ کیوں نہ ہم لوگ اپنی چھیاں بُسی خوشی گزاریں۔"

"اچھا بکواس بند۔" فریدی جھلا کر بولا۔ "اگر تم میرا ساتھیں دینا چاہئے تو نہ دو۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

"آپ تو خنا ہو گئے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ بھی اس چھٹی میں ایک آدھ عش قریبے تو اچھا تھا۔" حمید نے منہ بنا کر کچھ اس انداز میں کہا کہ فریدی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ "اچھا تو کھانا اس وقت میرے ہی ساتھ کھانا۔" فریدی نے اس کے کانہ سے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ببر و چشم.....!" حمید نے سخیدگی سے کہا۔ "بھلامیں اپنے آفسر کا حکم کس طرح ہال کیا ہوں۔"

وہ سرکس شروع ہونے سے پدرہ مت قبیل ہی ریلوے گراؤنڈ بھیج گئے اور بکس کے "و" نکٹ لے کر رنگ کے سب سے قریب والے صوفے پر جا بیٹھے۔ دو چار کھیلوں کے بعد اصل مکمل شروع ہوا۔ ایک نائلہ قدم کا مضبوط نیپالی ایک خوبصورت لڑکی کی ساتھ رنگ میں داخل ہوا۔ "غصب کی لوٹ دیا ہے۔" حمید نے دھیرے سے کہا۔

"ہشت.....!" فریدی نیپالی کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"خواتین و حضرات.....!" رنگ لیڈر کی آواز گوئی۔ "اب دنیا کا خوفناک ترین مکمل شروع ہونے والا ہے۔ یہ لڑکی اس لکڑی کے تخت سے لگ کر کھڑی ہو جائے گی اور یہ نیپالی اپنے خیبر سے لڑکی کے گرد اس کا خاکہ بنائے گا۔ نیپالی کی ذرا سی غلطی یا لڑکی کی خیف کی جیبیں اسے موت کی آغوش میں پہنچا سکتی ہے لیکن دیکھئے کہ یہ لڑکی موت کا مقابلہ کس ہت سے کرتی ہے اور اس نیپالی کا ہاتھ کتنا سدھا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔"

"کھٹ.....!" ایک سننا تا ہوا خیبر لڑکی کے سر کے بالوں کو چھوٹا ہوا لکڑی کے تخت میں تین افع و حسن گیا۔ لڑکی سر سے پیچہ ہلک لرز گئی۔ رنگ ماشر نے نیپالی کی طرف حرث سے دیکھا

اور اس کے ہوت مختصر بانہ انداز میں ہٹنے لگے۔ دیکھنے والوں پر سننا چھا گیا۔

”مکث....!“ دوسرا بخوبی کے کامدھے کے قریب فرماں کے پف کو چھڈتا ہوا تختے میں ڈھنس گیا۔ لڑکی کا چہرہ دودھ کی طرح سفید نظر آنے لگا۔ رنگ لیدھرنے بے تابان رنگ کا چکر لگا ڈلا۔ نیپالی کھڑا دببر کی سردی میں اپنے چہرے سے پینہ پوچھ رہا تھا۔

”کیا اس دن بھی یہ بخوبی جسم کے اتحاد قریب گئے تھے۔“ فریدی نے جھک کر حمید سے پوچھا۔

”ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔“ حمید نے بیتابی سے کہا۔ ”ان کا فاصلہ تین یا چار انج ٹھیک تھا!“

”مکث....!“ اب کی بار بار لڑکی کے مند سے چیخ نکل گئی۔ اس کے بازو سے خون نکل رہا تھا۔ فریدی نے نیپالی کو شرایہوں کی طرح لڑکھڑاتے رنگ کے باہر جاتے دیکھا۔ فوراً اسی پاٹھ چھ جو کروں نے رنگ میں آ کر اچھل کو دیکھا۔

”خواتین و حضرات....“ رنگ ماشی کی آواز گوئی۔ ”مجھے اس واقعہ پر حیرت ہے۔ نیپالی پندرہ بیس سے ہمارے سرکس میں کام کر رہا ہے لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ضرور وہ کچھ بیمار ہے۔ جس کی اطلاع ہمیں نہ تھی۔ بہر حال ابھی بہت سے دلچسپ سکھیں باقی ہیں۔“

”آؤ چلیں....!“ فریدی نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

متعدد خیموں کے درمیان سے گذرتے ہوئے وہ تھوڑی دری بعد منیر کی دفتر کے سامنے پہنچ گئے۔ فریدی نے چپر اسی سے اپنا ملاقاً کا روز اندر بھجوادیا۔

منیر اٹھ کر ہاتھ ملاتے ہوئے پر تپاک لبجھ میں بولا۔ ”فرمائیے کیسے تکلیف فرمائی۔“

”میں بخوبی نیپالی کے بارے میں پوچھتا چاہتا ہوں۔“

”کیا عرض کروں اپنے صاحب.... مجھے خود حیرت ہے۔ آج تک ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ مجھے سخت شرمندگی ہے۔ کیا قانوناً مجھے اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کچھ سمجھوئی میں نہیں آتا۔ آج کئی دن سے اس کی حالت بہت اتر ہے۔ وہ بے حد شراب پینے لگا ہے۔ ہر وقت نشے میں ڈینگیں مارتا رہتا ہے۔ ابھی کل ہی اپنے ایک ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ میں اب اتنا دولت مند ہو گیا ہوں۔ مجھے تو کریلہ کی بھی پرواہ نہیں۔ اس نے اسے نوٹوں کی کئی گذیاں بھی

دھائی تھیں۔“

”اس کی یہ حالت کب سے ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ راج روپ گر کے دوران قیام ہی میں اس کی حالت میں تبدیلی واقع ہوتی شروع ہو گئی تھی۔“

”راج روپ گر.....!“ حید نے چوک کر کہا۔ لیکن فریدی نے اسکے بعد پر اپنا ہمراکھ دیا۔

”کیا راج روپ گر میں بھی آپ کی کہنی نے کھل دکھائے تھے۔“

”جی نہیں..... وہاں کہاں..... وہ تو ایک قصہ ہے۔ ہم لوگ وہاں تھہر کر اپنے دوسروں

تاقے کا انتقال کر رہے تھے۔“

”راج روپ گر..... وہی تو نہیں جو نواب وجاہت مرزا کی جا گیر ہے۔“

”جی ہاں..... جی ہاں وہی۔“

”کیا یہ نیپالی پڑھا لکھا ہے۔“

”جی ہاں..... میڑک پاس ہے۔“

”میں اس سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔“

”ضرور ضرور..... میرے ساتھ چلئے۔ لیکن ذرا ہمارا بھی خیال رکھئے گا۔ میں نہیں چاہتا کہ کہنی کا نام بدناام ہو۔“

”آپ مطمئن رہئے۔“

وہ تینوں خیموں کی قطاروں سے گزرتے ہوئے ایک خیمے کے سامنے رک گئے۔

”اندر چلئے.....!“ فیجر بولا۔

”نہیں صرف آپ جائیے۔ آپ اس سے ہمارے بارے میں کہئے گا۔ اگر وہ ملتا پسند کرے گا تو ہم لوگ لمبیں گے ورنہ نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

فیجر پہلے تو کچھ دیر تک حرمت سے اسے دیکھا رہا پھر اندر چلا گیا۔ فریدی نے اپنی آنکھیں خیمے کی جالی سے لگادیں۔ نیپالی بھی تک محلہ ہی کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ وہ بہت

پریشان نظر آ رہا تھا۔ فیجر کے داخل ہوتے ہی وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن پھر اس کے چہرے پر قدرے اطمینان کے آثار نظر آنے لگے۔

”اوہ..... آپ ہیں۔ میں سمجھا..... جی کچھ نہیں۔ مجھے سخت شرم دی ہے۔“ وہ رک رک کر بولا۔

”تو کیا تم کسی اور کا انتظار کر رہے تھے۔“ فیجر نے کہا۔

”جی جی.....؟“ وہ ہکلانے لگا۔ ”نہ نہیں..... بی بی بالکل نہیں۔“

باہر فریدی نے گھر اس انس لیا اور اسکی آنکھوں میں عجیب قسم کی وحیانہ چک پیدا ہو گئی۔

”میں معافی چاہتا ہوں..... مجھے افسوس ہے۔“ نیپالی خود کو سنبھال کر بولا۔

”میں اس وقت اس محاٹے پر گفتگو کرنے نہیں آیا ہوں۔“ فیجر بولا۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ ایک صاحب تم سے ملتا چاہتے ہیں۔“

نیپالی بُری طرح کا پھنسنے لگا۔

”مجھ سے مل..... ملتا چاہتے ہیں۔“ وہ بدو اس ہو کر بیٹھتے ہوئے ہکلا یا۔ ”مگر میں نہیں ملتا چاہتا۔ وہ مجھ سے کیوں ملتا چاہتے ہیں۔“

”میں سمجھتا نے کے لئے ملتا چاہتا ہوں کہ میں کیوں ملتا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے خیے میں داخل ہو کر کہا۔ اس کے پیچھے حمید بھی تھا۔

”میں آپ کو نہیں جانتا۔“ اس نے خود کو سنبھال کر کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے میں آپ سے نہیں ملا۔“

”میں خیر پولیس کا انکھڑ.....!“ فریدی نے جلدی سے کہا۔

”خیر پولیس.....!“ وہ اس طرح بولا جیسے کوئی خواب میں بیڑا ہتا ہے۔ ”لیکن کیوں..... آخر آپ مجھ سے کیوں ملتا چاہتے ہیں۔“

”میں تمہیں پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن تم اگر میرے سوالات کا صحیح جھیج جواب دو گے تو پھر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیا تم کل رات نٹاٹا گرد ڈاکٹر شوکت کی کوئی پر گئے تھے۔“

فریدی نے یہ جملہ نہایت سادگی اور اطمینان سے ادا کیا۔ لیکن اس کا اثر کسی بم کے دھماکے سے کم نہ تھا۔ نیپالی بے اختیار اچھل پڑا۔ فریدی کواب پورا یقین ہو گیا۔

”نہیں نہیں.....!“ وہ کپکاتی ہوئی آواز میں چینا۔ ”تم سفید جھوٹ بول رہے ہو..... میں وہاں کیوں جاتا..... نہیں..... یہ جھوٹ ہے..... پلا جھوٹ۔“

”اس سے کوئی فائدہ نہیں ممکن.....!“ فریدی بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ کل رات تم ڈاکٹر شوکت کو قتل کرنے گئے اور اسکے دھوکے میں سبتا دیوبی کو قتل کرائے۔ اگر تم مجھے بتاؤ گے تو میں تمہیں بچانے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کسی دوسرے نے قتل پر آمادہ کیا تھا۔“

”آپ مجھے بچانے کی کوشش کریں گے۔“ وہ بے بُسی سے بولا۔ ”اوہ میرے خدا..... میں نے بھی اب غلطی کی۔“

”شباش، ہاں آگے کہو۔“ فریدی نرم لمحے میں بولا۔ سرکس کا غیر انہیں حرمت اور خوف کی نظر وہ سے دیکھ رہا تھا۔

نیپالی انپکڑ فریدی کے اس اچاک حلقے سے پہلے ہی سراسر ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بس پیچے کی طرح کہنا شروع کیا۔ ”مجی ہاں..... میں ضرور بتاؤں گا۔ مگر میں بے قصور ہوں۔ آپ نے کہا کہ میں تمہیں بچاؤں گا۔ اس نے مجھے دس ہزار روپے جعلی دیئے تھے اور قتل کے بعد دس ہزار روپے اور دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اف میں نے کیا کیا..... اس کا نام..... ہاں اس کا نام ہے..... اور رہا..... اف..... اف.....!“ وہ چینج کر آگے کی طرف جھک گیا۔

”وہ دیکھو.....!“ سرجنت حمید چینا۔

کسی نے خیسے کے چیچے سے نیپالی پر حملہ کیا تھا۔ خیسے کے کپڑے کی دیوار بچاڑتا ہوا اس کی پیٹھ میں کھس گیا تھا۔ وہ بکس پر بیٹھے بیٹھے دو تین بار تڑپا پھر خیسے کی گرفت سے آزاد ہو کر فرش پر آ رہا۔

”حید..... باہر..... باہر..... دیکھو جانے نہ پائے۔“ انپکڑ فریدی غصہ میں چلایا۔

چینج کی آواز سن کر کچھ اور لوگ بھی آئے۔ سب نے مل کر قاتل کو علاش کرنا شروع کیا

لیکن بے سود..... فیجر کو گھبراہٹ کی وجہ سے غش آ گیا۔

کوتولی اطلاع پہنچا دی گئی..... تھوڑی دیر بعد کئی کاشیبل اور دو سب اسپکٹر موقع واردات پہنچ گئے۔ اسپکٹر فریدی کو وہاں دیکھ کر انہیں سخت حیرت ہوئی۔ فریدی نے انہیں مختصر اسارا حال بتایا۔ مختول کے اقرار جرم کا گواہ فیجر تھا لہذا فیجر کا بیان ہو رہا تھا کہ اسپکٹر فریدی اور سرجنت حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ان کی کار تیزی سے نٹا گھر کی طرف چارہ تھی۔

"کیوں بھی رہا شدوى..... چھ پیسے والے جاسوسی ناول والا معامل۔" فریدی نے فس کر کہا۔

"اب تو مجھے بھی دلچسپی ہو چلی ہے۔" حمید نے کہا۔ "لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ کو یقین

کو گھر ہوا تھا کہ سبیں قاتل ہے۔"

"یقین کہاں شخص شہر تھا لیکن فیجر سے گفتگو کرنے کے بعد کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا کہ سازش میں کسی دوسرے کا ہاتھ ضرور تھا۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ قتل کے سلسلے میں اپنی ظلطی کا احساس ہو جانے کے بعد ہی سے اس کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کھیل کے وقت اس کا ہاتھ بہک رہا تھا اب اسے شاید اس شخص کا انتظار تھا جس نے اسے قتل کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اس حادثت کی جوابدی کے خیال نے اسے اور بھی پریشان کر رکھا تھا۔ انہیں سب چیزوں کو مدنظر رکھ کر میں نے خود پہلے اس کے خیطے میں جانا مناسب نہ سمجھا۔ فیجر کو اندر رجھ کر میں جانی سے اس کا رد عمل دیکھنے لگا۔ جانی سے تو تم بھی دیکھ رہے تھے۔"

"بہر حال آج سے میں آپ کا پورا پورا شاگرد ہو گیا۔" حمید نے کہا۔

"کیا کہا آج سے..... کیا پہلے نہ تھے۔" فریدی نے فس کر کہا۔

"نہیں پہلے بھی تھا۔" حمید نے کہا اور دونوں خاموش ہو گئے۔ اسپکٹر فریدی آئندہ کے لئے پروگرام بنارہا تھا۔

چھانک پر کار کی آواز سن کر ڈاکٹر شوکت باہر نکل آیا تھا۔ اسپکٹر فریدی نے سارے واقعات بالغصیل اسے بتائے۔

”یکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اب مطمئن ہو جاؤ۔“ فریدی نے شوکت کے کامے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا اصل دشمن اب بھی آزاد ہے اور وہ کسی وقت بھی جسمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ لہذا احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں فگر میں ہوں اور کوشش کروں گا کہ اسے جلد از جلد گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دوں۔“

قاتل کی نئی چال

انپکٹر فریدی کو افسوس تھا کہ سرکاری طور پر وہ اس کیس کا انچارج نہ ہو سکتا تھا۔ ابھی اس کی چھٹی ختم ہونے میں دو ماہ باتی تھے۔ اسے اس بات کا بھی خیال تھا کہ دوسرے قتل کے بعد سے اس معاملہ میں اس کی دست اندازی کا حال آفیسروں کو ضرور معلوم ہو جائے گا۔ جو اصولہ کسی طرح درست نہ تھا۔ لیکن اسے اس کی پرواہ نہ تھی۔ ملازمت کی پرواہ اسے بھی تھی اور نہ اب۔ وہ خود بھی صاحب جاسیداد اور شان سے زندگی بسرا کرنے کا عادی تھا۔ اس ملازمت کی طرف اسے دراصل اس کی افتاد طیح لائی تھی۔ ورنہ وہ اتنا دولت مند تھا کہ اس کے بغیر بھی اسیروں کی سی زندگی بر کر سکتا تھا۔

دوسری واردات کے دوسرے دن سچ جب وہ سوکر اخواتو اے معلوم ہوا کہ چیف انپکٹر صاحب کا اردو لی عرصہ سے اس کا انتظار کر رہا ہے۔ دریافت حال پر پہنچلا کہ چیف صاحب اپنے بیگل پر بے صبری سے اس کا انتظار کر رہے ہیں اور پولیس انپکٹر صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔ فریدی کا ماتھا شکنا۔ اس نے لاپرواہی سے ناخنگوار خیالات کو ذہن سے نکال پھینکا اور ناشیت وغیرہ سے فارغ ہو کر چیف صاحب کے بیگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

”بلو فریدی۔“ چیف صاحب نے اس کا خبر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ دیے سے تمہارے مختصر ہیں۔“

”مجھے ذرا دیر ہو گئی۔“ فریدی نے بے پرواںی سے کہا۔

”اس وقت ایک اہم معااملے پر گفتگو کرنے کے لئے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔“

پولیس کشز نے اپنا سگار کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”شکریہ۔“ فریدی نے سگار لیتے ہوئے کہا۔ ”فرمائیے۔“

”مسٹر فریدی..... چونہیں گھنے کے اندر اس علاقے میں دو عدد وارد اگلی ہوئی ہیں۔ ان سے آپ بخوبی واقف ہیں۔“ پولیس کشز صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تبدیل ہو کر یہاں آئے ہوئے مجھے صرف دس دن ہوئے ہیں۔ اُنکی صورت میں میری بہت بدناہی ہو گی۔ سول پولیس تو قطعی ناکارہ ہے اور معاملہ انجامی جیچیدہ ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی بقیرہ چھٹی فی الحال کینسل کر لیں اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ قائل کا پڑے لگ جانے کے بعد میں آپ کو دونوں کے بجائے چار ماہ کی چھٹی دلا دوں گا۔ یہ میرا دوستانہ مشورہ ہے۔ اسے افسری اور ماحصلی سے کوئی تعلق نہیں۔“

”جی میں ہر وقت اور ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔“ فریدی نے اپنی آرزو پوری

ہوتے دیکھ کر پر خلوص لجھے میں کہا۔

”بہت بہت شکریہ۔“ پولیس کشز صاحب اطمینان کا سانس لے کر بولے۔ ”کل رات آپ اپنا بیان دے کر پڑے آئے تھے۔ اس کے بعد نیپالی کے خیمے کی علاشی لینے پر سات ہزار روپے کے نوٹ برآمد ہوئے۔ جو کم از کم اس کی حیثیت سے زیادہ تھے۔ اس کے پس انداز ہونے کا خیال اسی لئے پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اپنی آمدی سے بڑھ کر خرچ کرنے والا آدی تھا۔ ان روپوں کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی نہ مل سکی جس سے اس کے قائل کی شخصیت کا پڑے لگ سکتا۔ بہر حال سینا دیوی کے قائل کے سراغ کا سہرا تو آپ ہی کے سر ہے۔ لیکن اب اس کے قائل کے قائل کا پڑے لگانا بہت ضروری ہے اور یہ کام سوائے آپ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ میں نے کل رات ہی یہ دونوں کیس ملکہ سراغ رسالی کے پرداز کر دیئے ہیں اب بقیرہ ہدایات آپ کو چیف انسپکٹر سے ملیں گی۔“

”اور میں تم کو اس کیس کا انچارج ہاتا ہوں۔“ چیف اسپکٹر صاحب نے کہا۔ ”اس کے کاغذات دس بجے تک جنمیں مل جائیں گے۔“

”یہ تو آپ جانتے ہیں کہ میں کیس کی تفتیش شروع ہی سے کر رہا ہوں اور میں نے اس ملے میں اپنا طریقہ کاربھی مکمل کر لیا ہے۔ میکن آپ سے استدعا ہے کہ آپ ابھی ظاہر ہونے دیں کہ میں چھٹی پر ہوں اور یہ معاملہ ابھی تک ملکہ سراغ رسانی تک نہیں پہنچا۔“

”تو اس کیس میں بھی تم اپنی پرانی عادت کے مطابق اکیلے ہی کام کرو گے۔“ چیف اسپکٹر پولیس نے کہا۔ ”یہ عادت خطرناک ہے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر جنمیں میں ابھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا مجھے یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔“

اسپکٹر فریدی کے گھر پر سرجنت حمید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے معلوم ہوا رہا تھا جیسے وہ رات بھرنے سویا ہو۔ فریدی کے گھر پہنچتے ہی وہ بیتابی سے اس کی طرف بڑھا۔ ”کہو..... خیریت تو ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم کچھ پریشان سے معلوم ہوتے ہو۔“

”کچھ کیا..... میں بہت پریشان ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”آخربات کیا ہے۔“

”کل رات تقریباً ایک بجے میں آپ کے گھر سے روانہ ہوا۔ تھوڑی دور چلتے کے بعد میں نے محبوس کیا کہ میرا کوئی پیچھا کر رہا ہے۔ پہلے تو خیال ہوا کہ کوئی راہ کیر ہو گا میکن جب میں نے اپنا شبر رفع کرنے کے لئے یوں ہی بے مطلب بیچ دریچ گھلوں میں گھسنا شروع کیا تو میرا شبہ یقین کی حد تک پہنچ گیا کیونکہ وہ اب بھی میرا پیچھا کر رہا تھا۔ خیر میں نے گھر پہنچ کر تالا کھولا اور کواڑ بند کر کے درز سے جھانکتا رہا۔ میرا تعاقب کرنے والا اب میرے مکان کے سامنے کھڑا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ میں دبے پاؤں باہر نکلا اور اب میں اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ اس قسم کا تعاقب کم از کم میرے لئے نیا تجربہ تھا کیونکہ تعاقب کرتے کرتے پانچ بیج گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یوں ہی بلا مقصود آوارہ گردی کرنا پھر رہا ہے۔“

مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ اس نے اپنے چہرہ کا کارکھڑا کر کھا تھا اور اس کی نائٹ کیپ اس کے چہرے پر جھگی ہوئی تھی۔ تقریباً پانچ بجے وہ باشم روڈ اور بنی روڈ کے چوراہے پر رک گیا۔ وہاں ایک کارکھڑی تھی۔ وہ اس میں بیٹھ گیا اور کارکھڑی سے شمال کی جانب روادہ ہو گئی۔ وہاں اس وقت مجھے کوئی سواری نہ مل سکی۔ لہذا تم میل پیدل چل کر آ رہا ہوں۔ شاید رات سے اب تک میں نے چوراہے میل کا چکر لگایا ہو گا۔“

”تمہاری تی دریافت تو بہت ولپیپ رہی۔“ فریدی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
وہ تمہوزی دری تک تو چپ رہا۔ اسکی آنکھیں اس طرح دھندا گئیں جیسے اسے نیند آ رہی ہو۔
پھر اچاک ان میں ایک طرح کی وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی اور اس نے ایک زور دار قبھہ لگایا۔
”کیا کپا تم نے۔“ فریدی بولا۔ ”وہ باشم روڈ کے چوراہے سے شمال کی جانب چلا گیا۔“
”جی ہاں۔“

”اور تمہیں شاید معلوم نہ ہو گا کہ اسی چوراہے پر سے اگر تم جنوب کی طرف چلو تو چوراہے میل چلنے کے بعد تم راج روپ گھر پہنچ جاؤ گے۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ مجرم کا سراغ راج روپ گھر ہی میں مل سکے گا۔ دیکھوا اگر وہ مجھ تھمارا چھپا کر رہا ہوتا تو تمہیں اس کا احساس سک نہ ہونے دیتا۔ اس نے دیدہ دانتہ ایسا کیا تا کہ تم اس کے پیچے لگ جاؤ اور وہ اسی چوراہے سے جنوب کی طرف جانے کی بجائے شمال کی طرف جا کر میرے دل سے اس خیال کو نکال دے کہ اصل مجرم راج روپ گھر کا باشندہ ہے۔ اور میرے خدا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ نیپالی کے قتل کے پہلے سے ہم لوگوں کے قریب ہی قریب رہا اور اس نے فیجر کے دفتر میں بھی ہماری گفتگو سنی وہیں راج روپ گھر کی گفتگو آئی تھی۔ اخبار میں تو اس کا کوئی حوالہ نہیں تھا..... مجرم معمولی ذہانت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ کیا تم اس کا حلیرہ بتاتے ہو۔“

”یہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔“ حمید نے کچھ سوچ کر کہا۔
”یکن خبر ہے۔ اس میں ایک خاص بات تھی جس کی بنا پر وہ پہچانا جاسکتا ہے اس کی پیشہ پر بلاسا کو بڑھا۔“

”ماں چھوڑو بھی..... کو بڑا تو کوت کے نیچے بہت سا کپڑا مخونس کر بھی بنایا جاسکتا ہے۔
اگر وہ بھی کبڑا ہوتا تو تمہیں اپنے پیچھے آنے کی دعوت نہ دیتا۔“

”واللہ..... آپ نے تو شراک ہوز کے بھی کان کاٹ کر کھائے۔“ حیدر خس کر بولا۔
”تم نے پھر وہی جاسوسی نادلوں کے جاسوسوں کے حوالے دینے شروع کر دیئے۔“
فریدی نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔

”بخار میں محکم نہیں اڑا رہا ہوں۔“

”خیر ہٹاؤ..... میں اس وقت تھارا راج روپ مگر جا رہا ہوں۔“
”یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ تھارا ج روپ مگر جا رہے ہیں۔ میں رات بھر نہیں سویا۔“
”اگر تم سوئے بھی ہوتے تو بھی میں تمہیں اپنے ساتھ نہ لے جانا کیونکہ تم چھٹی پر ہو اور
میں نے اپنی چھٹیاں کینسل کر دی ہیں اور یہ کس سرکاری طور پر میرے پرورد کیا گیا ہے۔“
”یہ کب.....!“ حیدر نے متھیر ہو کر پوچھا۔

”ابھی.....!“ فریدی نے جواب دیا اور سارے واقعات بتا دیئے۔
”تو پھر واقعی آپ تھا جائیں گے۔“ حیدر نے کہا۔ ”اچھا یہ تو ہتا یے کہ آپ نے اپنا
طریقہ کا رسول سوچ لیا ہے۔“

”قطی.....!“ فریدی نے جواب دیا۔ ”کل رات میں نے تمہارے جانے کے بعد ہی
راج روپ مگر کے متعلق بہت سی معلومات بھی پہنچائی ہیں۔ مثلاً بھی کہ راج روپ مگر تو اب
صاحب وجاہت مرزا کی جا گیرے اور تو اب صاحب کسی شدید قسم کی ذہنی یا کاری میں جلا ہیں۔
مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ تقریباً پندرہ روز سے دن رات سورہ ہے ہیں یا دوسرے لفظوں میں
یہ کہنا چاہئے کہ بے ہوش ہیں۔ ان کے فیملی ڈاکٹر کی رائے ہے کہ سرکا آپ پیش کرایا جائے لیکن
 موجودہ معاف کریں تو اسی جو پولیس ہسپتال کے انچارج ہیں آپ پیش کے خلاف ہیں۔ اس
سلسلے میں دوسری بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ تو اب صاحب لاولد ہیں ان کے ساتھ ان کا
سوچلا بھیجا اور ان کی بیوہ بہن اپنی جوان لڑکی سمیت رہتی ہے۔ مجھے جہاں تک پہنچا ہے کہ

نواب صاحب نے اپنی جاگیر کے متعلق ابھی تک کسی قسم کا کوئی وصیت نامہ نہیں لکھا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کی بیوہ بہن یا سوتیلے سمجھے میں سے کوئی بھی جاسیداد کے لائق میں یہ خواہش نہیں رکھ سکتا کہ نواب صاحب ہوش میں آنے سے پہلے ہی مر جائیں۔ بہت ممکن ہے کہ اسی مقصد کے تحت ذہنی بیماریوں کے مشہور ترین ڈاکٹر شوکت کو قتل کرادینے کی کوشش کی گئی ہو محض اس ڈر سے کہ کہیں نواب صاحب اس کے زیر علاج نہ آ جائیں کیونکہ ان کا قابلی ڈاکٹر آپریشن پر زور دے رہا تھا۔ فریدی خاموش ہو گیا۔

”آپ کے دلائل بہت وزنی معلوم ہوتے ہیں۔“ حمید بولا۔ ”لیکن آپکا تھا جانا ٹھیک نہیں۔“

”تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو کہ طریقہ کار سمجھے میں آجائے کے بعد میں تھا کام کرنے کا عادی ہوں۔“ فریدی نے جس کر کہا۔ ”اور پھر تم نے ابھی حال ہی میں ایک عدد عشق کیا ہے۔ میں تمہارے عشق میں گز بڑھنیں پیدا کرنا چاہتا۔ واپسی میں تمہاری محبوبہ کے لئے ایک عدد اگوٹھی ضرور لیتا آؤں گا۔ اچھا اب تم ناشر کر کے ہیں سورہ اور میں چلا۔“

خوفناک بوڑھا

راج روپ بگر میں نواب وجاهت مرزا کی عالی شان کوئی بستی سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ نواب صاحب بہت شوقیں آدی تھے۔ اس لئے انہوں نے اس قبیلے کو نکھاماں سا خوبصورت شہر بنادیا تھا۔ بس صرف الکٹریک لائٹ کی کسر رہ گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی کوئی میں ایک طاقتورڈ اکھو گا کر اس کی کوپورا کر دیا تھا۔ البتہ قبیلے والے بھلی کی روشنی سے عرودم تھے۔ کوئی کے چاروں طرف چار فرلاگ کے رقبے میں خوشنما باغات اور صاف و شفاف روشنوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ نواب صاحب کی کوئی سے ڈیڑھ فرلاگ کے فاصلے پر ایک قدیم وضع کی عمارت تھی جس میں ایک چھوٹا سا مینار تھا۔ کسی زمانے میں اس مینار کا اوپری حصہ کھلا رہا ہو گا اور

نواب صاحب کے آبا اجداد اس پر بیٹھ کر تفریح کیا کرتے ہوں گے لیکن اب یہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ صرف دو کھڑکیاں کھلی رہے گئی تھیں۔ ایک کھڑکی میں ایک بڑی سی دوربین لگی ہوئی تھی جس کا قطر تقریباً ایک فٹ رہا ہوگا۔ اس عمارت میں مشہور ماہر فلکیات پروفیسر عمران رہتا تھا۔ نواب صاحب نے یہ پرانی عمارت اسے کرائے پر دے رکھی تھی۔ اس نے اس میثار کی بالائی منزل کو چاروں طرف سے بند کر کے اس پر اپنی ستاروں کی رفتار کا جائزہ لینے والی بڑی دوربین فٹ کرالی تھی۔ قبیلے والوں کے لئے وہ ایک پراسرار آدمی تھا۔

بہتوں کا خیال تھا کہ وہ پاگل ہے اسے آج تک کسی نے اس چار فرلاگ کے روپے سے باہر نہ دیکھا تھا۔

ان پکڑ فریدی کوئی کے قریب پہنچ کر سوچنے لگا کہ کس طرح اندر جائے۔ فتحاً ایک توکرہ رآمدے میں آیا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔ ”اب نواب صاحب کی کیسی طبیعت ہے؟“ ”ابھی وہی حال ہے۔“ تو کہا سے گھورتا ہوا بولا۔ ”آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔“ ”میں ”روزنامہ خبر“ کا نمائندہ ہوں اور کنور سلیم سے ملتا چاہتا ہوں۔“ ”یہاں اندر ہاں میں تشریف لائیے میں انہیں خبر کرتا ہوں۔“

فریدی رآمدے سے گذر کر ہاں میں داخل ہوا۔ ہاں کی دیواروں پر چاروں طرف نواب صاحب کے آبا اجداد کی قد آدم تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ فریدی ان کا جائزہ لیتے لیتے چونک پڑا۔ اس کی نظریں ایک پرانی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کہنی مونچھوں اور ڈاڑھی کے جیچے کوئی جانا پچھانا چہرہ ہے۔ ”ارے وہ مارا یعنی فریدی۔“ وہ آپ ہی آپ بڑھ دیا۔

وہ قدموں کی آہٹ سے چونک پڑا۔ سامنے کے دروازے میں ایک لمبا ٹنگا نوجوان قیمتی سوت میں ملبوس کھڑا تھا۔ پہلے تو وہ فریدی کو دیکھ کر جھمکا پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

”صاحب آپ نامہ نگاروں سے تو میں تک آگیا ہوں۔“ وہ نفس کر بولا۔ ”کہنے آپ کیا پوچھتا چاہتے ہیں۔“

”شاید میں کنور صاحب سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔“ فریدی نے ادب سے کہا۔

”جی ہاں..... مجھے کنور سلیم کہتے ہیں۔“ اس نے بے دلی سے کہا۔ ”جو کچھ پوچھتا ہو جلد پوچھئے۔ میں بہت مشغول آدمی ہوں۔“

”نواب صاحب کا اب کیا حال ہے۔“

”ابھی تک ہوش نہیں آیا..... اور کچھ.....!“

”کب سے بے ہوش ہیں؟“

”پندرہ دن سے..... فیملی ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آپ پریشن کیا جائے۔ لیکن کریل تیواری اس کے حق میں نہیں ہیں۔ اچھا بس اب مجھے اجازت دیجئے۔“ وہ پھر اسی دروازے کی طرف گھوم گیا جس طرف سے آیا تھا۔

فریدی کے لئے واپس جانے کے علاوہ اور چارہ عی کیا تھا۔

جب وہ پرانی کوئی کے پاس سے گذر رہا تھا تو یک بیک اس کی ہیئت اچھل کر اس کی گود میں آ رہی۔ ہیئت میں بڑا سا چمید ہو گیا تھا۔ اس نے دل میں کہا ”بال بال بچے فریدی صاحب..... اب کبھی موڑ کی چپت گرا کر سفر نہ کرنا۔ ابھی تو اس بے آواز رائقن نے تمہاری جان عی لے لی تھی۔“ تھوڑی دور چل کر اس نے کار روک لی اور پرانی کوئی کی طرف پیدل واپس لوٹا مہندی کی باڑھ کی آڑ سے اس نے دیکھا کہ پرانی کوئی کے باعث میں ایک عجیب الحقدت بوزھا ایک چھوٹی نال والی نہایت طاقتور رائقن نے گلہریوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

فریدی مہندی کی باڑھ پھلا گئ کر اندر پہنچ گیا۔ بوزھا چونک کر اسے حرمت سے دیکھنے لگا۔ بوزھے کو دیکھ کر ایسا حسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی مردہ قبر سے اٹھ کر آ گیا ہو یا پھر جیسے وہ کوئی بھوت ہو۔ اس کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا تھا۔ بال کیا بھنوںیں تک سفید ہو گئی تھیں۔ چہرہ لمبا تھا اور گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ڈاڑھی موجودہ صاف..... ہوت اجتے پلے تھے کر ان کے درمیان صرف ایک باریک سی گہری لکیر نظر آ رہی تھی۔ لیکن آنکھوں میں بلا کی چک اور جسم میں

حرمت اگنیز پھر تلاپن تھا۔ وہ اچھل کر فریدی کے قریب آگیا۔

”مجھے سے ملتے..... میں پروفیسر عمران ہوں۔ ماہر فلکیات..... اور آپ.....؟“

”مجھے آپ کے نام سے دلچسپی نہیں۔“ فریدی اسے گھوکر بولا۔ ”میں تو اس خوفناک ہتھیار میں دلچسپی لے رہا ہوں جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔“

”ہتھیار.....!“ بوڑھے نے خوفناک قبضہ لگایا۔ ”یہ تو میری دوربین ہے۔“

”وہ دوربین ہی سکی لیکن ابھی اس نے مجھے دوسرا دنیا میں پہنچا دیا ہوتا۔“

فریدی نے اپنی ہیئت کا سوراخ اسے دکھایا۔ بوڑھے کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

اس نے ایک بار غور سے رائفل کی طرف دیکھا اور پھر بنس کر کہنے لگا۔

”شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ یہ واقعی رائفل ہی ہے۔ میں گلہریوں کا شکار کر رہا تھا۔

معافی چاہتا ہوں اور اپنی دوستی کا ہاتھ آپ کی طرف بڑھاتا ہوں۔“ بوڑھے نے فریدی کا ہاتھ

اپنے ہاتھ میں لے کر اس زور سے دبایا کہ اس کے ہاتھ کی ہڈیاں تک دکھنے لگیں۔ اس نجف

البتہ بوڑھے میں اتنی طاقت دیکھ کر فریدی بوکھلا سا گیا۔

”آئیے..... اندر چلنے..... آپ ایک اچھے دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔“ وہ فریدی کا ہاتھ

پڑے ہوئے پرانی کوشی میں داخل ہوا۔

”آج کل گلہریاں اور دوسرے چھوٹے جانور میرا خاص موضوع ہیں۔ آئیے میں آپ کو

ان کے نمونے دکھاؤں۔“ وہ فریدی کو ایک تاریک کمرے میں لے جاتا ہوا بولا۔ کمرے میں

عجیب و غریب طرح کی خوشنگواری بوچھلی ہوئی تھی۔ بوڑھے نے کئی موم بیان جلا میں کمرے

میں چاروں طرف مردہ جانوروں کے ڈھانچے رکھے ہوئے تھے۔ بہت سے چھوٹے جانور

کیلوں کی مدد سے لکڑی کے تختوں میں جکڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں سے کئی خرگوش اور کئی

گلہریاں تو ابھی تک زندہ تھیں۔ جن کی ترپ بہت ہی خوفناک منظر پیش کر رہی تھی۔ کبھی کبھی

کوئی خرگوش درد کی تکلیف سے جیج امتحاتا تھا۔ فریدی کو اختلاج سا ہونے لگا اور وہ گھبرا کر کمرے

سے نکل آیا۔

”اب آئیے میں آپ کو اپنی آبزرویٹری دکھاؤں۔“ یہ کہہ کر وہ مینار کے زینوں پر چڑھنے لگا۔ فریدی بھی اس کے پیچے چل رہا تھا۔ مینار تقریباً پھیس فٹ چڑھا رہا ہو گا۔ آخر میں وہ ایک کمرے میں داخل ہوئے جو بالائی منزل پر تھا۔ وہیں ایک کھڑکی میں دوربین نصب تھی۔ ”یہاں آئیے...!“ وہ دوربین کے شیشے پر جھک کر بولا۔ ”میں اس وقت نواب صاحب کی خوابگاہ کا منظر اتنا صاف دیکھ رہا ہوں جیسے وہ یہاں سے صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر ہوں۔ نواب صاحب چت لیتے ہیں۔ اسکے سر ہانے الگی بھائیتی بھی ہے۔ یہ لجھتے دیکھتے۔“ فریدی نے اپنی آنکھوں کے سے لگادی۔ سامنے والی کوشی کی کشادہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور کمرے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ کوئی شخص سر سے پر تک محل کا لاف اوڑھے لیٹا تھا اور ایک خوبصورت لڑکی سر ہانے بیٹھی تھی۔

”میں سامنے والے کمرے کے بہت سے راز جانتا ہوں۔ لیکن تمہیں کیوں بتاؤں۔“ بوڑھا فریدی کے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ ”بس کرواب آؤ چلیں۔“ ”مجھے کسی کے راز جانتے کی ضرورت نہیں کیا ہے۔“ فریدی اپنے شانے اچھا لتا ہوا بولا۔ ”کیا مجھے احتیت سمجھتے ہو۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ جملہ تم نے مخفی اسی لئے کہا ہے کہ میں سارے راز اگل دوں۔ تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اچھا اب پلو۔ تمہیں باہر جانے کا راستہ دکھاؤں۔“ وہ دونوں نیچے آت آئے۔ ابھی وہ ہال عی میں تھے کہ دروازے پر کنور سلیم کی صورت دکھائی دی۔

”آپ یہاں کیسے؟“ اس نے فریدی سے پوچھا۔ ”کیا آپ پروفیسر کو جانتے ہیں۔“ ”جی نہیں۔ لیکن آج انہیں اس طرح جان گیا ہوں کہ زندگی بھرنہ بھلا سکوں گا۔“ ”کیا مطلب...؟“ ”آپ گلہریوں کا شکار کرتے کرتے آدمی کا شکار کرنے لگے تھے۔“ فریدی پروفیسر کے ہاتھ میں دلبی ہوئی رانقل کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”میری ہیئت ملاحظہ فرمائیے۔“

”اوہ سمجھا.....!“ کنور سلیم تیر لبھے میں بولا۔ ”پروفیسر تم براہ کرم ہماری کوئی خالی کر دو ورنہ میں تمہیں پاگل خانے بجوادوں گا.....سمجھے۔“
بوڑھے نے خوفزدہ نگاہوں سے کنور سلیم کی طرف دیکھا اور بے ساختہ بھاگ کر مینار کے زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔
”معاف کیجئے گا..... یہ بوڑھا پاگل ہے۔ خواہ تو اہ ہماری پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔ اچھا خدا حافظ۔“

گولیوں کی بوچھاڑ

فریدی نے اپنی کار کا رخ قبے کی طرف پھیر دیا۔ اب وہ نواب کے فیصلی ڈاکٹر سے ملتا چاہتا تھا۔ ڈاکٹر تو صیف ایک سعمر آدمی تھا۔ اس سے قتل وہ سول سو روپ سرجن تھا۔ پیش لیتے کے بعد اس نے اپنے آپاں مکان میں رہنا شروع کر دیا تھا جو راج روپ مگر میں واقع تھا۔ اس کا شمار قبے کے ذی عزت اور دولت مندوگوں میں ہوتا تھا۔ فریدی کو اس کی جائے رہائش معلوم کرنے میں کوئی وقت نہ ہوئی۔

ڈاکٹر تو صیف اپنے کٹھ فریدی کو شاید پہچانتا تھا اس لئے وہ اس کی غیر متوقع آمد سے کچھ گم بر اس آگیا۔

”مجھے فریدی کہتے ہیں۔“ اس نے اپنا ملاقاۓ کارڈ پیش کرتے ہوئے کہا۔
”میں آپ کو جانتا ہوں.....!“ ڈاکٹر تو صیف نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملا تے ہوئے کہا۔ ”فرمائیے کیسے تکلیف فرمائی۔“

”ڈاکٹر صاحب میں ایک تہایت اہم معاملے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔“
”فرمائیے..... اچھا اندر تشریف لے چلئے۔“

”آپ ہی نواب صاحب کے بھی ڈاکٹر ہیں۔“ فریدی نے سگار لائٹ سے سگار لائٹ سے ہوئے کہا۔

”جی ہاں..... جی..... فرمائیے۔“ ڈاکٹر نے مختبر باندھا اور میس میں کہا۔

”کیا کریں تیواری آپ کے مشورے سے نواب صاحب کا علاج کرو رہے ہیں۔“ وہ اپنے اپنے پوچھ بیٹھا۔

ڈاکٹر تو صیف چونکہ کرا سے گھورنے لگا۔

”لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔“

”ڈاکٹر صاحب! ذہنی بیماریوں کے علاج میں مجھے تمہوز اس ادھر ہے اور میں اپنی طرح جانتا ہوں کہ اس قسم کے امراض کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے آپریشن..... آخر یہ کریں تیواری تشخیص اوقات کیوں کرو رہے ہیں اور یہ چیز بھی ہمارے لئے باعث تشویش ہے کہ کریں تیواری کو جسے کتنی نوجوان ڈاکٹر امراض کے سلطے میں کافی بچھے چھوڑ چکے ہیں معاون کیوں مقرر کیا گیا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ ایک قطعی نجی معاملے میں داخل اندمازی کرو رہے ہیں۔“ ڈاکٹر تو صیف نے ناخوشگوار لمحے میں کہا۔

”آپ سمجھے نہیں۔“ فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔ ”میں نواب صاحب کی جان لینے کی ایک گھری سازش کا پتہ لگا رہا ہوں۔ اس سلطے میں آپ سے مدد لیتی مناسب ہے۔“

”جی.....!“ ڈاکٹر تو صیف نے چونکہ کہا اور پھر مضھل سا ہو گیا۔

”جی ہاں..... کیا آپ میری مدد کریں گے۔“ فریدی نے سگار کا کش لے کر پڑھیاں لمحے میں کہا۔

”بات دراصل یہ ہے ان پکڑ صاحب کر میں خود بھی اس معاملے میں بہت پریشان ہوں۔ لیکن کیا کروں خود نواب صاحب کی بھی بھی خواہش تھی۔ انہیں دو ایک بار کریں تیواری کے علاج سے قائد ہو چکا ہے۔“

”لیکن مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ کرٹل تیواری کو علاج کے لئے ان کے خاندان والوں نے منتسب کیا ہے۔“

”خیں یہ بات نہیں۔ البتہ انہوں نے میری آپریشن والی جھوڑ نہیں مانی تھی۔ میں آپ کو وہ خط دکھاتا ہوں جو نواب صاحب نے دورہ پڑنے سے ایک دن قبل مجھے لکھا تھا۔“

”ڈاکٹر تو صیف اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا اور فریدی سگار کے کش لیتا ہوا ادھ کملی آنکھوں سے خلاء میں ناکتاب رہا۔

”یہ کیسے نواب صاحب کا خط.....؟“ ڈاکٹر تو صیف نے فریدی کی طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا۔ فریدی خط کا جائزہ لینے لگا۔ خط نواب زادہ صاحب کے ڈالی پیٹ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا جس کی پیٹانی پر ان کا نام اور پہ چھپا ہوا تھا۔

فریدی خط پڑھنے لگا۔

”ڈسیر ڈاکٹر.....

آج دو دن سے مجھے محسوں ہو رہا ہے جیسے مجھ پر دورہ پڑنے والا ہے۔ اگر آپ شام تک کرٹل تیواری کو لے کر آ جائیں تو بہتر ہے بچپنی مرتبہ بھی ان کے علاج سے فائدہ ہوا تھا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ کرٹل تیواری آج کل بہت مشغول ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ انہیں لے کر عی آئیں گے۔

آپ کا

وجاہت مرزا۔“

”ڈاکٹر صاحب کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ خط نواب صاحب عی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔“ فریدی نے خط پڑھ کر کہا۔

”اتا ہی یقین ہے جتنا کہ اس پر اس وقت میں آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ میں نواب صاحب کا اندراز تحریر لاکھوں میں پیچان سکتا ہوں۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن ڈاکٹر صاحب ذرا اس پر غور کجھے

کیا آپ نے کبھی اتنی چورائی رکھنے والے کاغذ کا اتنا چھوٹا پیڑ بھی دیکھا ہے۔ کسی قدر بے ذہنگا معلوم ہو رہا ہے۔ اوہ..... یہ دیکھئے..... صاف معلوم ہوتا ہے کہ دھنٹل کے نیچے سے کسی نے کاغذ کا بقیرہ گلزار قبضی سے کاٹا ہے۔ ڈاکٹر کیا آپ کو یہ اسی حالت میں ملا تھا۔“

”جی ہاں.....!“ ڈاکٹر نے تحریر ہو کر کہا۔ ”لیکن میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”وہی عرض کرنے جارہا ہوں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ نواب صاحب نے خط لکھا کر دھنٹل کر دینے کے بعد بھی نیچے لکھا ہو جئے کسی نے بعد میں قبضی سے کاٹ کر اسے برابر کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ نواب صاحب فطرتاً اتنے سمجھوں نہیں کہ باقی پچاہوا کاغذ کا کٹ کر دوسرے صرف کے لئے رکھ لیں۔“

”اُف میرے خدا۔“ ڈاکٹر نے سر پکڑا۔ ”یہاں تک میری نظر نہیں پہنچی تھی۔“

”بہر حال حالات کچھ ہی کیوں نہ ہوں کیا آپ بحثیت فیملی ڈاکٹر اتنا نہیں کر سکتے کہ کرئی تیواری کی بحیائے کسی اور معاشر سے علاج کرائیں۔“

”میں اس محاٹے میں بالکل بے بس ہوں فریدی صاحب۔ حالانکہ نواب صاحب نے کمی بار مجھ سے آپریشن کے متعلق گفتگو کی تھی..... اور ہاں کیا نام ہے اس کا اس سلسلے میں سول ہسپتال کے اسی شہنشہ ڈاکٹر شوکت کا بھی تذکرہ آیا تھا۔“

”اب تو محالہ بالکل صاف ہو گیا۔“ فریدی نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”ممکن ہے خط لکھنے کے بعد نواب صاحب نے یہ لکھا ہو کر اگر کریل تیواری نہ لے سکیں تو ڈاکٹر شوکت کو لیتے آئیے گا۔ اس حصے کو کسی نے غائب کر دیا۔“

”ہوں.....!“ تو صیف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ ڈاکٹر شوکت سے ضرور رجوع کیجئے۔ کم از کم اس صوبے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔“

”میں اس کی تعریفیں اخبارات میں پڑھتا رہتا ہوں اور اس سے ایک بار مل بھی چکا ہوں۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ نواب صاحب کا سونیصدی کا میریاب آپریشن کرے گا۔“

لیکن فریدی صاحب میں کرٹل تیواری کی موجودگی میں بالکل بے بس ہوں۔ ایسا جھکی آڈی تو آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔“

”کرٹل تیواری کی آپ فکر نہ کریں، اس کا انتظام میں کرلوں گا۔ آپ جتنی جلد ممکن ہو سکے ڈاکٹر شوکت سے مل کر معاملات طے کر لجئے۔“

”آپ کرٹل تیواری کا کیا انتظام کریں گے۔“

”انتظام کرنا کیا اور تو قریب قریب ہو چکا ہے۔“ فریدی نے سگار جلاتے ہوئے کہا۔
”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”تمن دن کے بعد کرٹل تیواری کا یہاں سے تادله ہو جائے گا۔ اور سے حکم آگیا ہے۔ مجھے باوثوق ذرائج سے اطلاع ملی ہے۔ لیکن خود کرٹل تیواری کو ابھی تک اس کا علم نہیں۔ انہیں اتنی جلد جانا ہو گا کہ شاید وہ دھوپی کے یہاں سے اپنے کپڑے بھی نہ منگا سکیں۔ لیکن یہ راز کی بات ہے اسے اپنے تک محدود رکھئے گا۔“

”اورے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔“ ڈاکٹر توصیف نے کہا۔

”اچھا تو اب میں چلوں۔۔۔ آپ کرٹل تیواری کے تادلے کی خبر سختے ہی ڈاکٹر شوکت کو یہاں لے آئیے گا۔ میرے خیال ہے کہ اس وقت پھر کسی کو اعتراض کی بھی گنجائش نہ رہ جائے گی۔ ہاں دیکھنے اس کا خیال رہے کہ میرے ملاقات کا حال کسی پر ظاہرنہ ہونے پائے۔ خصوصاً نواب صاحب کے خادمان کے کسی فرد اور اس خاطلی یوڑھے پروفیسر کو اس کی اطلاع نہ ہونے پائے۔ صاحب مجھے تو وہ یوڑھا انتہائی خبیث معلوم ہوتا ہے۔“

”میں بھی اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔۔۔!“

”وہ آخر ہے کون۔“ فریدی نے ڈیپکی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”میرے خیال سے وہ نواب صاحب کا کوئی عزیز ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ نواب صاحب نے میرے ہی سامنے اس سے پرانی کوشی کا کرایہ نامہ لکھوا�ا تھا۔ بلکہ میں نے اس پر گواہ کی حیثیت سے دخدا کے تھے۔“

"خبر..... اچھا ب میں اجازت چاہوں گا۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ جلد ہی ڈاکٹر شوکت سے ملاقات کریں گے۔"

فریدی کی کار تیزی سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ آج اس کا دماغ بے انتہا الجھا ہوا تھا۔ بہر حال وہ جو مقدمہ لے کر راج روپ ٹکر آیا تھا اس میں اگر بالکل نہیں تو تمہوڑی بہت کامیابی ضرور ہوئی تھی۔ اب وہ آئندہ کے لئے پروگرام مرتب کر رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ سوچتا تھا اسے اپنی کامیابی پر پورا یقین ہوتا جا رہا تھا۔

سرک کے دونوں طرف دور دوڑک چیزوں کی گھنی جہازیاں تھیں۔ سرک بالکل سنان تھی۔ ایک جگہ اسے چھ سرک پر ایک خالی تانگہ کھڑا نظر آیا۔ وہ بھی اس طرح جیسے وہ خاص طور پر راستہ روکنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہو۔ فریدی نے کار کی رفتار دھیمی کر کے ہارن دینا شروع کیا لیکن دور و نزدیک کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ سرک زیادہ چڑھی نہ تھی۔ لہذا فریدی کو کار روک کر اترنا پڑا۔ تانگہ کنارے لگا کر وہ گاڑی کی طرف لوٹتی رہا تھا کہ اسے دور جہازیوں میں ایک بھی اک چیخ سنائی دی۔ کوئی بھرائی ہوئی آواز میں چیخ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بار بار چیخنے والے کامنہ دبایا جاتا ہو اور وہ گرفت سے نکلنے کے بعد پھر چیخنے لگتا ہو۔ فریدی نے جیب سے ریوالور نکال کر آواز کی طرف دوزنا شروع کیا۔ وہ قد آدم جہازیوں سے الجھتا ہوا گرتا پڑتا جگل میں گھس جا رہا تھا۔ دھنٹا ایک فائر ہوا اور ایک گولی سنناتی ہوئی اس کے کانوں کے قریب سے نکل گئی۔ وہ پھر تی کے ساتھ زمین پر لیٹ گیا۔ لیٹے لیٹے رنگلتا ہوا وہ ایک کھائی کی آڑ میں ہو گیا۔ اب پے درپے فائر ہونے شروع ہو گئے۔ شاید گولیاں چلانے والا اپنے خالی پستول میں کارتوں چڑھا رہا تھا۔ فریدی نے کھائی کی آڑ سے سراہمارائی تھا کہ فائر ہوا۔ اگر وہ تیزی سے چیچپے کی طرف نہ گر گیا ہوتا تو کھوپڑی اڑی گئی تھی۔ دوسری طرف سے پھر انہا دھنڈ فائر ہونے لگے۔ فریدی نے بھی دو تین فائر کئے اور پھر چیختا کر اپنا سرک کی طرف بھاگا۔ دوسری طرف سے اپنی فائر ہو رہے تھے۔ لیکن وہ گرتا پڑتا بھاگا جا رہا تھا۔ کار میں چیختے ہی وہ تیز

رفاری سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

حیرت ناک سانحہ

شام کا اخبار شائع ہوتے ہی سارے شہر میں سمنی پھیل گئی۔ اخبار والے لگلی کوچوں میں چینی پھر رہے تھے انپکٹر فریدی کا قتل..... ایک ہفتہ کے اندر اندر آپ کے شہر میں تین قتل..... شام کا تازہ پرچہ پڑھئے۔ اخبار میں پورا واقعہ درج تھا۔

آج دو بجے دن انپکٹر فریدی کی کار پولیس ہسپتال کی کمپاؤڈ میں داخل ہوئی۔ انپکٹر فریدی کار سے اترتے وقت لوگہڑا کر گر پڑے۔ کسی نے ان کے دامنے بازو اور بائیں شانے کو گولیوں کا نتانہ پنا دیا تھا۔ فوراً یعنی طبی امداد پہنچائی گئی لیکن فریدی صاحب جان برداشت ہو گئے۔ تین سخنے موت و حیات کی کش کش میں جلا رہ کر وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ یقیناً یہ ملک و قوم کے لئے ناقابل خلافی نقصان ہے۔

انپکٹر فریدی غالباً سیتا دیوبی کے قتل کے مسلسلے میں تنتیش کر رہے تھے لیکن انہوں نے اپنے سرکاری روزنامے میں کسی کی کوئی خانہ پر ٹیکیں کی۔ چیف انپکٹر صاحب کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ انہوں نے سراغ رسانی کا کون ساطریقہ اختیار کیا تھا۔ ابھی تک کوئی نہیں تاسکا کہ انپکٹر فریدی آج صحیح کہاں گئے تھے۔ بظاہر ان کی کار پر جمی ہوئی گرد اور پھیلوں کی حالت بتاتی ہے کہ انہوں نے کافی لمبا سفر کیا تھا۔

”انپکٹر فریدی کی عمر تیس سال تھی۔ وہ غیر شادی شدہ تھے۔ انہوں نے دو بیٹے اور ایک بڑی جائیداد چھوڑی ہے۔ ان کے کسی وارث کا پتہ نہیں چل سکا۔“

خبر آگ کی طرح آنا فانا سارے شہر میں پھیل گئی۔ مگر سراغ رسانی کے دفتر میں بچل محبی ہوئی تھی۔ انپکٹر فریدی کے دوستوں نے لاش حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں لاش

دیکھنے لک کی اجازت نہ دی گئی اور کئی خبروں سے معلوم ہوا کہ پوسٹ مارٹم کرنے پر پانچ یا چھ زخم پائے گئے ہیں۔“

یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن سرجنت حیدر جانے کیوں چپ تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ انپکٹ فریڈی راج روپ گھر گیا تھا لیکن اس نے اس کی کوئی اطلاع چیف انپکٹ کو نہ دی۔ وہ نہایت اطمینان سے پولیس اور خیرپولیس کی بھاگ دوڑ کا جائزہ لے رہا تھا۔

دوسرے جاسوسوں اور بختیرے لوگوں نے اس سے ہر طرح پوچھا لیکن اس نے ایک کو بھی کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ کسی سے کہتا کہ انہوں نے مجھے اپنا پروگرام نہیں بتایا تھا کسی سے کہتا انہوں نے مجھے سے یہ سک تو بتایا نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی چھٹی کینسل کرادی ہے پھر راغ رسانی کا پروگرام کیا ہاتھ۔ کسی کو یہ جواب دیتا کہ وہ اپنی ایکسوں میں کسی سے نہ مشورہ لیتے تھے اور نہ مل کر کام کرتے تھے۔

تقریباً دس بجے رات کو ایک اچھی حیثیت کا نیپالی چوروں کی طرح چھپتا چھپتا سرجنت حیدر کے گھر سے نکلا۔ بڑی دریک بیوی ہی بے مصرف سڑکوں پر مارا مارا پھر تارہ پھر ایک گھٹیا سے شراب خانے میں گھس گیا۔ جب وہ وہاں سے نکلا تو اسکے ہمراہ یہی طرح ڈگنگا رہے تھے۔ آنکھوں سے معلوم ہتا تھا جیسے وہ کثرت سے پلی گیا ہو۔ وہ لڑکہ اتنا ہوا تھیں کیلئے چل پڑا۔

”ول بھائی شاپ ہم دور جانا مانگتا ہے۔“ اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔
”صاحب نہیں فرصت نہیں.....!“ ٹیکسی ڈرائیور نے کہا۔

”اویبا پر دے گا.....“ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... نہیں صاحب..... مجھے فرصت نہیں۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے دوسری طرف منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

”ارے لوہا را باپ..... تم بھی شالا کیا یاد کرے گا۔“ اس نے دس دس کے تین نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”اب چلے گا ہمارا باپ۔“

”یعنی کہاں چلتا ہو گا۔“ ٹیکسی ڈرائیور نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”جاوہم نہیں جانا مانگلا..... ہم تم کو تم روپیہ خیرات دیا۔“ اس نے روٹھ کر زمین پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ارے نہیں صاحب اٹھئے چلے..... جہاں آپ کہیں آپ کو پہنچا دوں۔ چاہے جہنم ہی کیوں نہ ہو۔“ تیکی ڈرائیور نے اس کے نشے کی حالت سے لف اٹھاتے ہوئے خس کر کہا۔ ”جہنم لے چلے گا۔“ نیپالی نے اٹھ کر پر سرت لبجھ میں کہا۔ ”تم بڑا اچھا ہے۔ تم ہمارا باپ ہے۔..... تم ہمارا بھائی ہے۔..... تم ہمارا ماں ہے۔..... تم ہمارا بی بی ہے۔..... تم ہمارا بی بی کا شالا ہے۔..... تم ہمارا..... تم ہمارا کیا ہے۔“

”صاحب ہم تمہارے سب کچھ ہے بولو کہاں چلے گا۔“ تیکی ڈرائیور نے اس کا ہاتھ اپنی گردن سے ہٹا کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”جدھر ہم بلانا مانگلا۔ شالا تم نہیں جانتا کہ ہم بڑا لوگ ہے۔ ہم تم کو اور بخشش دیگا۔“ مدھوں نیپالی نے کچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”شیدھا چلو۔“ دوسرے موڑ پر بکھر کر تیکی راج روپ گھر کی طرف جا رہی تھی۔

کتے کی موت

ڈاکٹر شوکت انپکٹر فریدی کی موت کی خبر سن کر ششدرو رہ گیا۔ اسے حرمت تھی کہ آخریک بیک یہ کیا ہو گیا۔ لیکن وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس کی موت سبھا دیوبی قتل کی تفتیش کے سلسلے میں واقع ہوئی ہے۔ وہ بھی سمجھ رہا تھا کہ فریدی کے کسی پرانے دشمن نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو گا۔ حکمران راغ رسانی والوں کے لئے دشمنوں کی اچھی خاصی تعداد پیدا کر لیما کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس پیشے کے کامیاب ترین آدمیوں کی موتیں عموماً اسی طرح واقع ہوتی ہیں۔“

سیدا دیوی کے قتل کے متعلق اس کی اب تک بھی رائے تھی کہ یہ کام ان کے کسی ہم
ذہب کا ہے۔ جس نے مذہبی جذبات سے اندازا ہوا کہ آخوندگان قتل ہی کر دیا۔ اپنے فریدی
کا یہ خیال کروہ حملہ دراصل اسی پر تھا رفتہ رفتہ اسکے ذہن سے ہتا جا رہا تھا۔ بھی وجہ تھی کہ جب
اسے راج روپ مگر سے ڈاکٹر تو صیف کا خط ملا تو اس نے اس قبے کے نام پر دھیان تکشید دیا۔
”درستے دن ڈاکٹر تو صیف خود اس سے لٹکے کے لئے آیا۔ اس نے تواب صاحب کے
مرض کی ساری تفصیلات بتا کر اسے آپریشن کرنے پر آمادہ کر لیا۔

ڈاکٹر شوکت کی کار راج روپ مگر کی طرف جاری تھی۔ وہ اپنے استنشت اور دوزسوں کو
ہدایت کر آیا تھا کہ وہ چار بجے تک آپریشن کا ضروری سامان لے کر راج روپ مگر پہنچ جائیں۔
نواب صاحب کے خاندان والے ابھی تک کریل تیواری کے تبادلے اور تو صیف کے
نئے نیچلے سے ناواقف تھے۔ ڈاکٹر شوکت کی آمد سے وہ سب حرمت میں پڑ گئے۔ خصوصاً
نواب صاحب کی بہن تو آپ سے باہر ہو گئیں۔

”ڈاکٹر صاحب....!“ وہ تو صیف سے بولیں۔ ”میں آپ کی اس حرکت کا مطلب نہیں
مجھے سکی۔“

”محترمہ مجھے افسوس ہے کہ مجھے آپ سے مشورے کی ضرورت نہیں۔“ تو صیف بنے
لاپرواں سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ نواب صاحب کی بہن نے حرمت اور غصہ کے ملے جلے انداز میں کہا۔
”مطلب یہ کہ اچاک کریل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے اور اب اس کے علاوہ کوئی اور
صورت باقی نہیں رہ گئی۔“

”کریل تیواری کا تبادلہ ہو گیا ہے۔“

”ان کا خط ملاحظہ فرمائیے۔“ ڈاکٹر تو صیف نے جیب سے ایک لفاذ کاٹ کر ان کے
سامنے ڈال دیا۔ وہ خط پڑھنے لگیں۔ کنور سلیم اور نواب صاحب کی بھائی نجہ بھی جک کر
دیکھنے لگیں۔